بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

ٹھنڈی ہوا کا پہلا جھونکا

وادیٔ سوات جو عرصۂ دراز سے خاک وخون میں غلطاں تھا اور جہاں بارود و آہن کی اندھی بارش کا نشانہ بننے والوں کی اکثریت بے گناہ عوام یعنی عام شہریوں پر مشتمل تھی، جن میں بوڑھے، خواتین اور معصوم بچے بھی شامل تھے، بالآخر امن کی جانب کروٹ لیتا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ہمارے مرکزی ناظم نشر و اشاعت مرزا ایوب بیگ صاحب نے ندائے خلافت کے لیے جو فکر انگیز اداریہ تحریر کیا ہے، اسے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے:

''اِس ایک سال میں جو کسی طرح ایک صدی سے کم نہیں لگ رہا، ٹھنڈی ہوا کا پہلا جھونکا آیا ہے۔ سارا سال چمن خزاں کی لپیٹ میں رہا۔ اب جا کر کہیں ایک پھول کھلا ہے۔ اُڑتے بادل، بہتی ندیاں، دمکتے ستارے، کائنات کا حسن گویا اِس وادی میں سمٹ آیا تھا۔ کس ظالم کی نظر بد یہ سب کچھ ہڑپ کر گئی۔ مسحور کن مناظر آگ اور خون کے کھیل میں دھندلائے گئے۔ پھولوں کی مہک پر بارود کی بو غالب آ گئی۔ انسانی خون کے دھبے، بکھری ہوئی سر بریدہ لاشیں اِس حسین وادی کا مقدر نظر آنے لگیں۔ عمارتوں خصوصاً درس گاہوں کو گھاس پھونس کے ڈھیر کی طرح جلا دیا گیا۔ جہاں دنیا کے کونے کونے سے سیاح فطرت کے حسن کا نظارہ کرنے آتے تھے، وہ یوں سنسان ہو گیا جیسے بھوت پریت کی آماجگاہ ہو۔ بہرحال قانونِ فطرت ہے کہ ظلمت جب اپنی انتہا کو پہنچے تو ضیا کا راستہ کھلتا ہے۔ جب ظالم کا بازو کوڑے برساتے برساتے شل ہونے لگا اور معتوب کی استقامت رتی بھر متاثر نہ ہوئی بلکہ اُس نے گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہوئے شیر کی طرح زندہ رہنے کا فیصلہ کیا اور خم ٹھونک کر ٹینکوں اور طیاروں کے مقابلے میں بوسیدہ اسلحہ لے کر میدان میں آ گیا تو استحصالی اور سامراجی نظام کے تھکے ماندے ٹھیکیداروں کے پاس سفید جھنڈا لہرا دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اسلحہ اگرچہ پرانا اور بوسیدہ تھا لیکن سینوں میں ایمان تازہ اور پختہ تھا اور انہیں اِس قرآنی خوشخبری پر یقین کامل تھا'' خوف نہ کھاؤ اور غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔'' ثبوت کے لیے اتنا کہنا ہی کفایت کرے گا کہ جنہوں نے حبہ بل پھاڑ

کر پھینک دیا تھا' وہ خود شرعی نظامِ عدل ریگولیشن لانے پر مجبور ہوئے۔

اِس ریگولیشن کے خلاف جہاں تک امریکہ' مغرب اور دوسرے اسلام دشمنوں کے واویلا کا تعلق ہے' بات قابل فہم ہے۔ دشمن کو دشمن کی تکلیف سے خوشی اور راحت سے دُکھ ہوتا ہے۔ مسلمان کا مسلمان کے خلاف بندوق تاننا اور پاکستان میں انتشار کا بڑھنا اور آگ کا بڑھکنا امریکی ایجنڈے کو تیزی سے آگے بڑھا سکتا ہے۔ پھر شرعی نظام کا قیام قبول کرنا ہوتا تو افغانستان کو تباہ و برباد کیوں کرتے' وہاں اربوں ڈالر کیوں جھونکتے اور اپنے فوجیوں کی انتہائی عزیز اور قیمتی جانیں کیوں کھپاتے' لہٰذا کوئی احمق ہی ہوگا جو اِس معاہدے پر امریکہ اور یورپ سے سخت ترین ردّعمل کی توقع نہ رکھتا ہو۔ حیرت تو اپنے سیکولر دانشوروں اور سیاست دانوں پر ہے' اُن کی دُم پر کیوں پاؤں آ گیا ہے۔ شریعت سے آزاد عدلیہ سے سٹیٹس کو کے باغیوں سے تمہاری چڑ پرانی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تم وادیٔ سوات کا امن بھی اپنے اِس بغض پر قربان کر دو گے؟ چند دن پہلے تک تم سوات میں امن کے لیے مرے جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم امن اِس طرح چاہتے تھے کہ وہاں سے اسلام کے نام لیواؤں کا بیج ختم کر دیا جائے اور شریعت کے حوالے سے آواز بھی اُٹھنی بند ہو جائے۔ اقتدار کے مزے لوٹنے والے سیاست دان اور اُن کی عطا کردہ مراعات سے فیض یاب ہونے والے دانشور کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے ہو جائیں! اُنہیں شدید خطرہ محسوس ہوا ہے کہ مالاکنڈ میں شرعی نظامِ عدل کا قیام اگر بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا اور اسلام کا عادلانہ نظام مرحلہ وار سارے ملک میں نافذ ہو گیا اور ایسا نظام آ گیا جو چہرے دیکھ کر نہیں میرٹ کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا' جس نظام میں خلیفہ وقت کو بھی اپنا استغاثہ لے کر قاضی کے سامنے پیش ہونا پڑتا ہے (ہماری رائے میں قانون اُسے کہتے ہیں جو قہرمان اور کمزور پر یکساں نافذ ہو' جیسے چاند کی چاندنی' گھاس پھونس کی جھونپڑی اور محل پر یکساں برستی ہے)' جہاں ایفائے عہد قرآن اور حدیث کا حکم سمجھ کر کیا جائے گا' جہاں بیت المال شیر مادر سمجھ کر ہضم نہیں کیا جائے گا' تو موجودہ استحصالی نظام اپنی موت آپ مر جائے گا۔

سوات میں نافذ کیے جانے والے عدل ریگولیشن کی خاص شقیں یہ ہیں:

(i) کوئی قانون خلافِ شریعت نافذ نہیں کیا جا سکے گا۔ (ii) موجودہ قوانین میں جو خلافِ شریعت ہیں اُنہیں موقوف کر دیا جائے گا۔ (iii) قانون کے چار مآخذ ہوں گے: قرآن' سنت' قیاس اور اجماعِ اُمت۔ (iv) قاضی کورٹس کے فیصلے کے خلاف

(باقی صفحہ 96 پر)

سُورۂ آلِ عمران

آیات ۶۴ تا ۷۱

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حٰجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا تیسرا حصہ ۳۸ آیات (۶۴ تا ۱۰۱) پر مشتمل ہے اور یہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے (رکوع ۱۵ تا ۱۸) سے بہت مشابہ ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر، بیت اللہ کا ذکر، اہل کتاب کو دعوتِ ایمان اور تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ کم وبیش وہی کیفیت یہاں ملتی ہے۔ فرمایا:

آیت ۶۴ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ’’(اے

نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے''

یہاں ''اہل کتاب'' کے صیغۂ خطاب میں یہود و نصاریٰ دونوں کو جمع کر لیا گیا' جبکہ سورۃ البقرۃ میں ''یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'' کے صیغۂ خطاب میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ یہاں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور گویا صرف نصرانیوں سے خطاب تھا' اب اہل کتاب دونوں کے دونوں مخاطب ہیں کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں مشترک اور متفق علیہ ہے۔ وہ کیا ہے؟

﴿اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں''

﴿وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا﴾ 'اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں''

﴿وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ ٹھہرائے۔''

یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار و رُہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں۔ یہ گویا ان کو ربّ مان لینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (آیت ۳۱)۔ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن کہتا ہے: ''انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا''۔ حالانکہ ہم نے تو انہیں ربّ کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا اِنَّهُمۡ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَعۡبُدُوۡنَهُمۡ وَلٰكِنَّهُمۡ اِذَا اَحَلُّوۡا لَهُمۡ شَيۡـًٔا اسۡتَحَلُّوۡهُ وَاِذَا حَرَّمُوۡا عَلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔا حَرَّمُوۡهُ))[1]

''وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے' لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دے دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے۔''

چنانچہ حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ کا ہے' اور جو کوئی اس حق کو اختیار کرتا ہے وہ گویا ربّ

(۱) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ' باب ومن سورۃ التوبۃ

ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اب یہ ساری قانون سازی جو شریعت کے خلاف کی جا رہی ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کی جانب سے خدائی کا دعویٰ ہے جو ان قانون ساز اداروں میں بیٹھے ہوئے ہیں' اور جو وہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر تو پہلے سے یہ طے ہو جائے کہ کوئی قانون سازی کتاب وسنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو پھر آپ جائیے اور وہاں جا کر قرآن وسنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کیجیے۔ لیکن اگر یہ تحدید نہیں ہے اور محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو رہی ہے تو یہ شرک ہے۔

اہل کتاب سے کہا گیا کہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک عقیدہ ہے۔ اس طرح انہیں غور وفکر کی دعوت دی گئی کہ وہ موازنہ کریں کہ اس قدرِ مشترک کے معیار پر اسلام پورا اترتا ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ''پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے مسلمانو!) تم کہو آپ لوگ گواہ رہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں۔''

ہم نے تو اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم متذکرہ بالا تینوں باتوں پر قائم رہیں گے۔ آپ کو اگر یہ پسند نہیں تو آپ کی مرضی!

آیت ۶۵ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''اے کتاب والو! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں نازل کی گئیں مگر اُس کے بعد؟''

یہ بات تم بھی جانتے اور مانتے ہو کہ تورات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور انجیل بھی۔ یہودیت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی پیداوار ہے اور نصرانیت بھی۔ وہ تو مسلمان تھے' اللہ کے فرماں بردار تھے' یہودی یا نصرانی تو نہیں تھے!

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۶۶ ﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''لو تم لوگ اب تک جو بھی بحث مباحثہ کرتے رہے ہو وہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا تمہیں کچھ علم ہے''

﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''تو اب تم ایسی چیزوں کے ضمن میں حجت بازی کیوں کرتے ہو جن کے بارے میں تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں؟''

ان چیزوں کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، کوئی عملی بنیاد نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا﴾ ''(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی''

﴿وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ ''بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔''

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔''

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو تین طبقات موجود تھے، یعنی مشرکینِ عرب، یہودی اور نصرانی، وہ تینوں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔ مشرکینِ عرب حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیمؑ سے ہے۔ اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن قرآن نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے، بلکہ مسلمان تھے۔

آیت ۶۸ ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ ''یقیناً ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی''

﴿وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور اب یہ نبی (حضرت محمد ﷺ) اور جو ان پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔''

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور اللہ ان مؤمنوں کا ساتھی ہے۔''

وہ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے، پشت پناہ ہے، حمایتی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ﴾ ''اہل کتاب کا ایک گروہ آرزومند ہے کہ (اے مسلمانو!) تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں۔''

﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور وہ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنے آپ کو، مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

آیت ۷۰ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ ''اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟''

تم قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی حقانیت کے قائل ہو، ان کو پہچان چکے ہو، دل میں جان چکے ہو!

آیت ۷۱ ﴿یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اے اہل کتاب! تم کیوں حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو جانتے بوجھتے؟''

سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ'' کے صیغۂ خطاب کے ساتھ ان آیات میں اُسی طرح کا داعیانہ انداز ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں ہے۔

آیات ۷۲ تا ۸۰

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۷۲ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۷۳ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۷۴ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۷۶ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۷۷ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

آیت ۷۲ ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ﴾ ''اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ان اہل ایمان پر جو چیز نازل کی گئی ہے' اس پر ایمان لاؤ صبح کے وقت اور اس کا انکار کر دو دِن کے آخر میں''

﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾﴾ ''شاید (اس تدبیر سے) ان میں سے بھی کچھ پھر جائیں۔''

یہاں یہود کی ایک بہت بڑی سازش کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے ایک گروہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی۔ اس سازش کا پس منظر یہ تھا کہ دنیا کے سامنے یہ بات آ چکی تھی کہ جو کوئی ایک مرتبہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا' چاہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جائے' بھوکا پیاسا رکھا جائے' حتیٰ کہ جان سے مار دیا جائے۔ اس طرح اسلام کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی کہ اس کے اندر کوئی ایسی کشش' ایسی حقانیت اور ایسی مٹھاس ہے کہ آدمی ایک مرتبہ اسلام قبول کر لینے کے بعد بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے' لیکن اسلام سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام کی یہ جو ساکھ بن گئی تھی اس کو توڑنے کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ ایسا کرو صبح کے وقت اعلان کرو کہ ہم ایمان لے آئے۔ سارا دن محمد (ﷺ) کی صحبت میں رہو اور شام کو کہہ دو ہم نے دیکھ لیا' یہاں کچھ نہیں ہے' یہ دُور کے ڈھول سہانے ہیں' ہم تو اپنے کفر میں واپس جا رہے ہیں' ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ اس سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تو سمجھیں گے کہ انہوں نے سازش کی ہو گی' لیکن یقیناً کچھ لوگ یہ بھی سمجھیں گے کہ بھئی بڑے متقی لوگ تھے' متلاشیانِ حق تھے' بڑے جذبے اور بڑی شان کے ساتھ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا اور ایمان قبول کیا تھا' پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھے رہے ہیں' آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو

دیکھا ہی ہوگا جو واپس پلٹ گئے۔ اس انداز سے عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنا بہت آسان کام ہے۔ چنانچہ انہوں نے منافقانہ شرارت کی یہ سازش تیار کی۔ اسلام میں قتل مرتد کی سزا کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اس طرح کی سازشوں کا راستہ روکنے کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے' ایمان اور اسلام ہی تو اس کی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے اور اس کی جڑوں کو کھودنے والی جو چیز بھی ہوسکتی ہے اس کا سدباب پوری قوت سے کرنا چاہیے۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ﴾ ''اور دیکھو کسی کی بات نہ ماننا مگر اُسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔''

یعنی اس سازشی گروہ کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ہم جا کر چند گھنٹے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گزاریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے واقعی کسی کو انشراحِ صدر ہو جائے اور وہ دل سے ایمان لے آئے۔ لہٰذا وہ طے کر کے گئے کہ دیکھو' ان پر ایمان نہیں لانا ہے' صرف ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ شعوری نفاق کی مثال ہے۔ یعنی جو وقت انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ گزارا اس میں وہ قانوناً تو مسلمان تھے' اگر اس دوران کوئی ان میں سے مر جاتا تو اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جاتی' لیکن خود انہیں معلوم تھا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شعوری نفاق ہے' جبکہ ایک غیر شعوری نفاق ہے کہ اندر ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مؤمن ہوں' حالانکہ اس کا کردار اور عمل منافقانہ ہے اور اس کے اندر سے ایمان کی پونجی ختم ہو چکی ہے' جیسے دیمک کسی شہتیر کو چٹ کر چکی ہوتی ہے لیکن اس کے اوپر ایک پردہ (veneer) بہرحال برقرار رہتا ہے۔ شعوری نفاق اور غیر شعوری نفاق کے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے''

آگے یہود کے سازشی ٹولے کے قول کا تسلسل ہے کہ دیکھو ایمان مت لانا!

﴿اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ﴾ ''مبادا کسی کو وہ شے دے دی جائے جو تمہیں دی گئی تھی''

یعنی یہ رسالت و نبوت اور مذہبی پیشوائی تو ہماری میراث تھی' ہم اگر ان پر ایمان لے آئیں گے تو وہ چیز ہم سے ان کو منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا تو ہرگز نہیں ہے' لیکن کسی طرح سے ان کی ہوا اکھیڑنے کے لیے ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

﴿اَوۡ یُحَآجُّوۡکُمۡ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ﴾ ''یا تمہارے خلاف حجت قائم کریں تمہارے پروردگار کے حضور۔''

﴿قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ فضل تو کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے''

﴿یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔''

اُس نے دو ہزار برس تک تمہیں ایک منصب پر فائز رکھا' اب تم اس منصب کے نااہل ثابت ہو چکے ہو' لہٰذا تمہیں معزول کر دیا گیا ہے' اور اب ایک نئی اُمت (اُمتِ محمد ﷺ) کو اس مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۷۴﴾﴾ ''اور اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۴ ﴿یَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۴﴾﴾ ''اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

اگلی آیت میں حکمتِ دعوت کے اعتبار سے بہت اہم نکتہ موجود ہے کہ برے سے برے گروہ کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی اچھے افراد لازماً ہوتے ہیں۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کا تذکرہ بھی کرتا رہے کہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں' تاکہ ایسے لوگوں کے دلوں کے اندر نرمی پیدا ہو۔ اسی طرح فرد کا معاملہ ہے کہ برے سے برے آدمی کے اندر کوئی اچھائی بھی موجود ہوتی ہے۔ آپ اگر اُسے حق کی دعوت دے رہے ہیں تو اس میں جو اچھائی ہے اس کو مانیے' تاکہ اسے معلوم ہو کہ اسے مجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے' میری جو بات واقعی اچھی ہے اس کو یہ تسلیم کر رہا ہے' لیکن جو بات غلط ہے اس کو رد کر رہا ہے۔ اس طرح اس کے دل میں کشادگی پیدا ہو گی اور وہ آپ کی بات سننے پر آمادہ ہو گا۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡہُ بِقِنۡطَارٍ یُّؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ﴾ ''اور اہل کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھوا دو ڈھیروں مال تو وہ

تمہیں پورا پورا واپس لوٹا دیں گے۔''

یعنی ان میں امانت دار لوگ بھی موجود ہیں۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ﴾ اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے''

﴿اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا﴾ ''مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔''

اگر تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ اور اس کو ادائیگی پر مجبور کر دو تب تو تمہاری امانت واپس کر دے گا' ورنہ نہیں دے گا۔ ان میں سے اکثر کا کردار تو یہی ہے' لیکن اہل کتاب میں سے جو تھوڑے بہت دیانت دار تھے ان کی اچھائی کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ بالفعل اس قسم کے کردار کے حامل لوگ عیسائیوں میں تو موجود تھے' یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھے' لیکن ''اہل کتاب'' کے عنوان سے ان کا ذکر مشترک طور پر کر دیا گیا۔ آگے خاص طور پر یہود کا تذکرہ ہے کہ ان میں یہ بددیانتی' بے ایمانی اور خیانت کیوں آ گئی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ﴾ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان اُمیین کے معاملے میں ہم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے' لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے تالمود کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے ''اُمّ الکتاب'' ہے' جبکہ ان کی ساری شریعت' قوانین وضوابط اور عبادات کی ساری تفاصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ یہودی کے لیے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے' لیکن غیر یہودی سے جیسے چاہو جھوٹ بولو۔ یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اور ناجائز ہے' لیکن غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو' دھوکہ' فریب اور بددیانتی سے ہڑپ کرو۔ ہم پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے اور غیر یہودی انسان ہیں ہی نہیں' یہ اصل میں انسان نما حیوان (Goyems & Gentiles) ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے' جیسا کہ گھوڑے کو تانگے میں جوتنا اور بیل کو ہل کے اندر جوت لینا انسان کا حق ہے۔ یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان انسان نما حیوانوں سے ہم جس طرح چاہیں لوٹ کھسوٹ کا معاملہ کریں اور جس طرح چاہیں ان پر ظلم وستم کریں' اس پر ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی' کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ امریکہ میں اس پر ایک مووی بھی بنائی گئی ہے:

"The Other Side of Israel" یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اوراس میں ایک شخص نے ایک یہودی کتب خانے میں جا کر وہاں ان کی کتابیں نکال نکال کر ان کے حوالے سے یہودیوں کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔(اب اسی عنوان سے کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔)

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور وہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔''

آیت ۷۶ ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''کیوں نہیں! جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ کی روش اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اہل تقویٰ پسند ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو فروخت کرتے ہیں حقیر سی قیمت پر''

یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ہماری بات میں کچھ شک کر رہے ہیں تو خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں''

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا''

﴿وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن''

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہ مضمون بھی تقریباً پورا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں آ چکا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے' تاکہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے' حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔''

علماءِ یہود الفاظ کو ذرا سا اِدھر سے اُدھر مروڑ کر اور معنی پیدا کر لیتے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ یہود سے کہا گیا ''حِطَّةٌ'' کہو تو ''حِنْطَةٌ'' کہنے لگے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ''اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے'' انہوں نے کہنا شروع کر دیا ''ہمیں گیہوں دے''۔ انہیں تلقین کی گئی کہ تم کہو: ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' مگر انہوں نے کہا: ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا''۔ اسی طرح کا معاملہ وہ تورات کو پڑھتے ہوئے بھی کرتے تھے۔ جب وہ دیکھتے کہ جو سائل فتویٰ مانگنے آیا ہے اس کی پسند کچھ اور ہے جبکہ تورات کا حکم کچھ اور ہے تو وہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر پڑھ دیتے کہ دیکھو یہ کتاب کے اندر موجود ہے' اور اس طرح سائل کو خوش کر کے اس سے کچھ رقم حاصل کر لیتے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔''

ہم یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۹) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جانتے بوجھتے۔''

آیت ۷۹ ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ''کسی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائے''

﴿ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر''

یہ اب نصرانیوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجے' پھر عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا' انہیں کتاب دی' حکمت دی' نبوت دی' معجزات دیے۔ اور اس کا تو کوئی امکان نہیں کہ وہؑ کہتے کہ مجھے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا لو!

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ''بلکہ (وہ تو یہی دعوت دے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔''

کتابِ الٰہی کی تعلیم و تعلّم کا یہی تقاضا ہے۔ دین کا سیکھنا' سکھانا' قرآن کا پڑھنا پڑھانا

اور حدیث وفقہ کا درس وتدریس اس لیے ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اللہ والے بنایا جائے' نہ یہ کہ اپنے بندے بنا کر اور ان سے نذرانے وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا﴾ ''اور نہ کبھی وہ تمہیں اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو ربّ بنالو۔''

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو ربّ بنایا اور ان کے نام پر لات' منات اور عزیٰ جیسی مورتیاں بنالیں' جبکہ نصاریٰ نے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا ربّ بنالیا۔

﴿اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ''تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟''

اللہ کا وہ بندہ جسے اللہ نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا کی ہو' کیا تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جبکہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو؟

آیات ۸۱ تا ۹۱

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

آیت ۸۱ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ اللہ نے تمام انبیاء سے ایک عہد لیا تھا کہ''

﴿لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ ''جو کچھ بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس آئے کوئی اور رسول جو تصدیق کرتا ہو اُس کی جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے تو تمہیں لازماً اُس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔''

اس لیے کہ انبیاء و رُسل کا ایک طویل سلسلہ چل رہا تھا، اور ہر نبی نے آئندہ آنے والے نبیؑ کی پیشین گوئی کی ہے اور اپنی اُمت کو اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ اور یہ بھی ختم نبوت کے بارے میں بہت بڑی دلیل ہے کہ ایسی کسی شے کا ذکر قرآن یا حدیث میں نہیں ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کوئی عہد لیا گیا ہو یا آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو، بلکہ اس کے برعکس قرآن میں صراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیّین فرمایا گیا ہے اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت دے کر گئے ہیں اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں بھی بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برنباس کا تو کوئی صفحہ خالی نہیں ہے جس میں آنحضور ﷺ کی بشارت نہ ہو، لیکن باقی انجیلوں میں سے یہ بشارتیں نکال دی گئی ہیں۔

﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ﴾ ''اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا ہے اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری قبول کر لی ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ﴾ ''انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔''

انبیاء و رسل سے یہ عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا۔ جس طرح تمام ارواحِ انسانیہ سے ''عہدِ الست'' لیا گیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى﴾ اسی طرح جنہیں نبوت سے سرفراز ہونا تھا ان کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے یہ اضافی عہد لیا کہ میں تمہیں نبی بنا کر بھیجوں گا' تم اپنی اُمت کو یہ ہدایت کر کے جانا کہ تمہارے بعد جو نبی بھی آئے اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد اور نصرت کرنا۔

﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا اب تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

آیت ۸۲ ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''تو جس نے بھی منہ موڑ لیا اس کے بعد تو یقیناً وہی لوگ سرکش (اور نا ہنجار) ہیں۔''

آیت ۸۳ ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ﴾ ''تو کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟''

﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ ''جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اللہ کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہے' چاہے خوشی سے اور چاہے مجبوراً' اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹا دیا جائے گا۔''

آیت ۸۴ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ ''کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر''

یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر''

﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور جو بھی موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور تمام انبیاءؑ کو دیا گیا ان کے ربّ کی طرف سے۔''

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے' اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔''

آیت ۸۵ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔''

﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۸۵﴾ ''اور پھر آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔''

آیت ۸۶ ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ ''کیسے ہدایت دے گا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟''

یعنی ان کے دل ایمان لے آئے تھے' ان پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی' لیکن دُنیوی مصلحتیں آڑے آ گئیں اور زبان سے انکار کر دیا۔ جیسے سورۃ النمل میں ہم پڑھیں گے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (آیت ۱۴) ''انہوں نے ظلم اور تکبر کے مارے ان معجزات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کے قائل ہو چکے تھے''۔

﴿وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ ''اور انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول حق ہیں''

اہل کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخر الزمان ہیں جو ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشینگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابوحارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آ رہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ''تَعِسَ الْاَبْعَدُ'' (ہلاک ہو جائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جا رہے ہیں)۔ اس کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابوحارثہ نے کہا ''بَلْ تَعِسَتْ اُمُّكَ'' (بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابوحارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً وہ وہی نبی اُمی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوحارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام و مرتبہ عطا کر رکھا ہے' اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ یہ لوگ سلطنتِ روما کے تحت تھے اور انہیں مصر کی حکومت کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں' انہیں مال و دولت اور عزت و وجاہت حاصل تھی۔ ابھی یہ لوگ محمد عربی ﷺ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے تو یہ حال تھا' اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کئی روز گزارنے کے بعد مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کر کے واپس جاتے ہوئے انہیں کس قدر یقین حاصل ہو گیا ہو گا کہ

یہی وہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے وہ منتظر تھے۔ ان کے دل گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق (ﷺ) ہیں۔

﴿وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ''اوران کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اوراللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۸۷ ﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''

آیت ۸۸ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''اسی (لعنت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ ''ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ملے گی۔''

یہ الفاظ بھی سورۃ البقرۃ (آیات ۱۶۱۔۱۶۲) میں آ چکے ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا﴾ ''سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں''

یعنی سچے دل سے ایمان لاکر عمل صالح کی روش پر گامزن ہو جائیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔''

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے۔

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ ''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد' پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے''

یعنی حق کو پہچان لینے کے بعد' چاہے زبان سے مانا ہو یا نہ مانا ہو' پھر اگر وہ کفر کرتے ہیں یا زبان سے ماننے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں' اور پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

﴿لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ ''ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ ''اور وہ تو یقیناً گمراہوں میں سے ہیں۔''

آیت ۹۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اسی حال میں کہ وہ کافر تھے''

﴿فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ﴾ ''تو ان میں سے کسی سے زمین کی مقدار کے برابر سونا بھی فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ پیش کر سکے۔''

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے' ناممکن ہے' لیکن یہ بات سمجھانے کے لیے کہ وہاں پر کوئی فدیہ نہیں ہے فرمایا کہ اگر کوئی زمین کے حجم کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہے گا تو نہیں چھوٹ سکے گا۔ یہ وہی بات ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۸ اور آیت ۱۲۳ میں فرمائی گئی کہ اُس دن کسی سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہے''
﴿وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴿۹۱﴾﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے۔''

آیات ۹۲ تا ۱۰۱

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
بِهٖ عَلِیْمٌ﴿۹۲﴾ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ
عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ
کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ
مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی
لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ
عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ
عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴿۹۷﴾ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ
عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۹۹﴾ یٰٓاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ

اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَکَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیۡکُمۡ رَسُوۡلُہٗ ؕ وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ہُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

آیت ۹۲ ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ ''تم ہرگز نہیں پہنچ سکتے نیکی کے مقام کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہے۔''

آیۃ البر (البقرۃ: ۱۷۷) کے ضمن میں اس آیت کا حوالہ بھی آیا تھا کہ نیکی کے مظاہر میں سے سب سے بڑی اور سب سے مقدم شے انسانی ہمدردی ہے' اور انسانی ہمدردی میں اپنا وہ مال خرچ کرنا مطلوب ہے جو خود اپنے آپ کو محبوب ہو۔ ایسا مال جو ردّی ہو' دل سے اتر گیا ہو' بوسیدہ ہو گیا ہو وہ کسی کو دے کر سمجھا جائے کہ ہم نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماردی ہے تو یہ بجائے خود حماقت ہے۔

﴿وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیت ۹۳ ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ''کھانے کی ساری چیزیں (جو شریعتِ محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں''

﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ﴾ ''سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حرام ٹھہرا لیا تھا اپنی جان پر' اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔''

یہودی شریعتِ محمدیؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں جو شریعتِ موسویؑ میں حرام تھیں۔ مثلاً ان کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام تھا' لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ حرام نہیں ہے۔ اگر یہ بھی آسمانی شریعت ہے تو یہ تغیر کیسے ہو گیا؟ یہاں اس کی حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے طبعی کراہت یا کسی مرض کے باعث بعض چیزیں اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو ازواج کی دلجوئی کی خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تھی' جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ﴾ (التحریم: ۱) حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے بعد میں ان چیزوں کو حرام

سمجھ لیا' اور یہ چیز ان کے ہاں رواج کے طور پر چلی آ رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت تورات میں نازل نہیں ہوئی۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو اسلام نے حلال کی ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں' سوائے اُن چیزوں کے کہ جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذاتی ناپسند کے باعث اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا' اور یہ بات تورات کے نزول سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ میں اور نزولِ تورات میں چار پانچ سو سال کا فصل ہے۔

﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔''

تورات کے اندر تو کہیں بھی اونٹ کے گوشت کی حرمت مذکور نہیں ہے۔

آیت ۹۴ ﴿فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''پس جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہیں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''

آیت ۹۵ ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ ﴾ ''کہہ دیجیے اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے''

﴿ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾ ''پس پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی جو یکسو تھے (یا یکسو ہو کر!)''

''حَنِیْفًا'' ابراہیم کا حال ہے۔ اگر اسے ''اِتَّبِعُوْا'' کا حال (بمعنی حَنِیْفِیِّیْنَ) مانا جائے تو دوسرا ترجمہ ہوگا۔ یعنی یکسو ہو کر' بعد کی تمام تقسیمات سے بلند تر ہو کر' ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو!

﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔''

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے''

''بَکَّة'' اور ''مَکَّة'' درحقیقت ایک ہی لفظ کے لیے دو تلفظ (pronunciations) ہیں۔

﴿مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''برکت والا ہے اور ہدایت کا مرکز ہے تمام جہان والوں کے لیے۔''

آیت ۹۷ ﴿فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ﴾ ''اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں' جیسے مقامِ ابراہیمؑ۔''

سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری چار رکوعوں (۱۵'۱۶'۱۷'۱۸) میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے' پھر باقی ساری گفتگو ہے''۔ یہاں سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کے تیسرے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا تذکرہ آخر میں آیا ہے۔ گویا مضامین وہی ہیں' ترتیب بدل گئی ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ ''اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آ جاتا ہے۔''

جاہلیت کے بدترین دور میں بھی بیت اللہ امن کا گہوارہ تھا۔ پورے عرب کے اندر خونریزی ہوتی تھی' لیکن حرمِ کعبہ میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ حرم کی یہ روایات ہمیشہ سے رہی ہیں اور آج تک یہ اللہ کے فضل و کرم سے دارالامن ہے کہ وہاں پر امن ہی امن ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔''

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔''

نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ''کَفَرَ'' آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ گویا کفر کرتا ہے۔

اگلی آیت میں اہل کتاب کو بڑے تیکھے اور جھنجوڑنے کے سے انداز میں مخاطب کیا جا رہا ہے' جیسے کسی پر نگاہیں گاڑ کر اس سے بات کی جائے۔

آیت ۹۸ ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ ''کہہ دیجیے اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہو؟''

﴿وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''جبکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ﴾ ''کہہ دیجیے اے کتاب والو! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستے سے اُس کو جو ایمان لے آتا ہے''

﴿تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ''تم اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو''

تم چاہتے ہو کہ جو اہل ایمان ہیں وہ بھی ٹیڑھے راستے پر چلیں۔ چنانچہ تم سازشیں کرتے ہو کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تا کہ اہل ایمان کے دلوں میں بھی وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔

﴿وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ﴾ ''حالانکہ تم خود گواہ ہو!''

تم راہِ راست کو پہچانتے ہو اور جو کچھ کر رہے ہو جانتے بوجھتے کر رہے ہو۔

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔''

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے:

آیت ۱۰۰ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لو گے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی حالت میں لوٹا کر لے جائیں گے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ﴾ ''اور (ذرا سوچو تو سہی) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اُس کا رسول موجود ہے۔''

تمہارے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں علماءِ یہود کا کتنا اثر تھا۔ اوس اور خزرج کے لوگ ان سے مرعوب تھے کیونکہ یہ اَن پڑھ لوگ تھے' ان کے پاس کوئی کتاب' کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں تھا' جبکہ یہود صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت تھے' ان کے ہاں علماء تھے۔ لہٰذا اوس اور خزرج کے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہود کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس قسم

کے خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتا دی گئی:

﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اس کو تو ہدایت ہوگئی صراطِ مستقیم کی طرف۔''

جو کوئی اللہ کی پناہ میں آ جائے' اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے اُسے تو ضرور صراطِ مستقیم کی ہدایت ملے گی اور وہ ضلالت و گمراہی کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ جیسے شیر خوار بچے کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ دوڑ کر آئے گا اور اپنی ماں کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مضبوط قلعہ میں آ گیا ہوں' اب مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ نہیں جانتا کہ ماں بے چاری تمام خطرات سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اسے کیا پتا کہ کب کوئی درندہ صفت انسان اسے ماں کی گود سے کھینچ کر اچھالے اور کسی بلم یا نیزے کی اَنی میں پرو دے۔ بہر حال بچہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں ماں کی گود میں آ گیا ہوں تو محفوظ پناہ میں آ گیا ہوں۔ اللہ کا دامن واقعتاً محفوظ پناہ گاہ ہے' اور جو کوئی اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے وہ گمراہی کی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!!

❁❁❁

پاکستان کا مستقبل

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۲۸ رنومبر ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

بمقام جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ (الانفال)

﴿وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرۡیَۃً کَانَتۡ اٰمِنَۃً مُّطۡمَئِنَّۃً یَّاۡتِیۡہَا رِزۡقُہَا رَغَدًا مِّنۡ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَہَا اللّٰہُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ (النحل)

گزشتہ تین جمعوں سے جاری گفتگو میں جو مضامین زیر بحث آ چکے ہیں ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیجیے۔ سب سے پہلے ہم نے اس کائنات کی تخلیق میں جو تدریج ہے اس کے بارے میں گفتگو کی۔ پھر یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نوعِ انسانی کا جو سفر شروع ہوا اس کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کے سفر کا آغاز ہوا، جسے اپنے نقطۂ عروج اور تکمیل تک پہنچنے میں، یعنی آنحضور ﷺ تک کم سے کم چھ سات ہزار سال لگے۔ میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ اس کا اشارہ سورۃ المدثر کی آیات ۳۲ تا ۳۶ میں ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کا عروج و زوال

دورِ نبویؐ کے بعد اگرچہ اُمتِ مسلمہ پر تو عروج و زوال کے دو دور آئے' لیکن اسلام مسلسل زوال سے دوچار ہوتا رہا۔ پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت آیا' پھر زوال آیا اور ۱۲۵۸ء میں بنوعباس کے آخری خلیفہ کو تاتاریوں نے ان کے محل سے کھینچ کر نکالا' ایک جانور کی کھال میں لپیٹا اور گھوڑوں کے سُموں سے کچل دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُمت میں عربوں کی قیادت کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ انتہائی زوال کی کیفیت رہی۔ پھر دوسرا عروج ترکوں کی زیر قیادت آیا۔ اب وہ خلافتِ راشدہ والی شان تو دوبارہ نہیں آئی' لیکن چار عظیم مملکتیں قائم ہوئیں —— ہندوستان میں ترکانِ تیموری' ایران میں ترکانِ صفوی' مشرق وسطیٰ میں ترکانِ سلجوقی' جبکہ ترکانِ عثمانی نے اتنی عظیم مملکت قائم کی جو تین براعظموں پر محیط تھی —— لیکن اسلام مسلسل زوال سے دوچار رہا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جس کا لرزا دینے والا نقشہ ایک حدیث میں کھینچا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((یُوْشِکُ اَنْ یَأتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ)) ''اندیشہ ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آ جائے گا'' ((لاَ یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ)) ''کہ اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کچھ نہیں بچے گا'' ((وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُہٗ)) ''اور قرآن میں سے سوائے اس کے رسم الخط کے کچھ نہیں بچے گا''۔ یعنی قرآن کی صرف تحریر بچ جائے گی' قرآن کا نظام دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ ((مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِنَ الْھُدٰی)) ''ان کی مسجدیں آباد تو بہت ہوں گی' لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی'' معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ! اور چوتھی بات سخت ترین ہے: ((عُلَمَاؤُھُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ)) ''ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کی بدترین مخلوق ہوں گے'' ((مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ)) انہی میں سے فتنے برآمد ہوں گے اور انہی میں لوٹ جائیں گے''۔ یعنی فتنہ انگیزی اور فتنہ پروری کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ (یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح' کتاب العلم میں امام بیہقیؒ کی شعب الایمان کے

حوالے سے نقل ہوئی ہے۔) اِس وقت یہ کیفیات لفظ بلفظ نہ سہی‘ ان کا ایک عکس تو بہرحال ہمارے ہاں موجود ہے۔

اس حوالے سے میں نے عرض کیا تھا کہ اب یہاں سے دوبارہ اسلام کا عروج ہونا ہے۔ یہ مسلمانوں کا تیسرا عروج ہوگا‘ جبکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ہوگی‘ لیکن اس میں بھی تدریج ہوگی‘ جس کا ذکر سورۃ الانشقاق کی آیات ۱۶ تا ۱۹ میں ہوا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام بس شفق کی مانند رہ گیا ہے‘ جیسے سورج غروب ہو جائے تو افق پر ایک سرخی سی رہ جاتی ہے۔ اور نوعِ انسانی پر تین سو برس کی جو بڑی تاریک رات گزری ہے اس کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس رات نے اپنے اندر کیا کچھ سمیٹ لیا ہے۔ اس طویل رات کے دوران ایک طرف پورے عالمِ اسلام پر یورپی استعمار نے اپنے پنجے گاڑ دیے اور دوسری طرف اس رات کی سیاہی میں نوعِ انسانی پر دجالیت نے تین پردے تان دیے —— سیاست کی سطح پر سیکولرزم‘ عوامی حاکمیت اور وطنی قومیت‘ معاشی میدان میں سود‘ جوا اور منشیات کی تجارت‘ جبکہ سماجی سطح پر فحاشی و عریانی کا فروغ اور شرم و حیا اور عصمت و عفت کی اقدار کا خاتمہ۔ اگرچہ اس معاملے میں ابھی دجالیت کو عالمِ اسلام پر پوری طرح غلبہ حاصل نہیں ہوا‘ لیکن اس کے لیے بہت تیزی سے جدوجہد ہو رہی ہے۔ لیکن یہ رات بہرحال ختم ہونی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تو خورشید کی مانند تھی‘ اب جو اسلام کا احیاء ہوگا وہ چاند کی مانند ہوگا‘ اور یہ چاند رفتہ رفتہ پورا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ۲۳ برس میں عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا یہ حضور ﷺ کا خاصّہ تھا۔

پھر پچھلی مرتبہ میں نے واضح کیا تھا کہ اس وقت جو روئے ارضی کی سول سپریم پاور اور اس کو جو یہودی اور عیسائی صیہونی (Zionists) کنٹرول کر رہے ہیں عالمِ اسلام کے بارے میں ان کے عزائم کیا ہیں‘ اور خاص طور پر افغانستان اور پاکستان کے بارے میں ان کے کیا نقشے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تو ان کے عزائم ہیں‘ بالفعل ہوگا کیا‘ یہ اللہ کے علم میں ہے۔

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے حوالے سے پاکستان کی خصوصی اہمیت

میرا آج کا موضوع خاص طور پر پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے ہے۔ مستقبل کے بارے میں ہمارے سامنے دو چیزیں تو وہ ہیں جو بالکل یقینی ہیں۔ ایک تو قیامت یقیناً آنی ہے' یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے' یہ ختم ہوگی۔ اُس روز پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر ریت بن جائیں گے اور یہ پوری زمین کوٹ کوٹ کر پھیلا دی جائے گی۔ تمام نوعِ انسانی جو آدم سے لے کر آخری وقت تک پیدا ہوئی ہو گی' اسے بیک وقت زندہ کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ تو یقیناً ہوکر رہنا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے زیادہ جس چیز کا ذکر ہے وہ قیامت ہے۔ اس سے پہلے ایک اور یقینی بات ہے' جس کا ذکر احادیث میں تو صراحتہً ہے اور قرآن مجید میں بھی اشارتاً موجود ہے—— اور وہ یہ کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام کا غلبہ ہوگا۔ گویا یہ چاند چودھویں کے چاند کی مانند لازماً پورا ہو جائے گا۔ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے ہونے والی تجدیدی مساعی بالآخر اس مقام تک پہنچیں گی کہ پوری دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہوگا۔ لیکن یہ کب اور کیسے ہوگا' اس کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے' لیکن میرے خیال میں یہ وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔ احادیث کے اندر قربِ قیامت کی جو پیشین گوئیاں آئی ہیں اور دنیا میں آج کل یہودی اور عیسائی دانشوروں کے ہاں بھی جو Endtimes کی پیشین گوئیاں ہیں' ان کے اعتبار سے یہ یقین کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ اب ہم اس کرۂ ارضی پر حیاتِ انسانی کے آخری دور میں سانس لے رہے ہیں۔

جہاں تک غلبۂ اسلام اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کا تعلق ہے' وہ ظاہر بات ہے کہ پہلے کسی ایک ملک میں ہوگا۔ اگر یہ کام بیک وقت پوری دنیا میں ہوسکتا تو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق اسے مستقبل کے لیے اٹھا رکھا۔ یہ اُس کی پلاننگ ہے کہ یہ کام کہاں سے شروع ہوگا۔ اب یہاں سے میری گفتگو کا تعلق پاکستان سے جڑ رہا ہے۔

پاکستان کے ساتھ ہمارا ایک تعلق تو یہ ہے کہ یہ ہمارا وطن ہے' لہٰذا ہمیں اس سے

محبت ہے۔ ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ ((حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ))[1] ''وطن کی محبت بھی ایمان میں شامل ہے''۔ لیکن ہم وطن پرست نہیں ہیں' وطن پرستی شرک ہے: ع ''صورت نہ پرستم من' بت خانہ شکستم من!'' یہ ملک خاص طور پر وطنی قومیت کی نفی مطلق کے اوپر قائم ہوا۔ کانگریس کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان میں رہنے والے سب ایک قوم ہیں' لہٰذا ان کا ایک ملک ہونا چاہیے۔ خود ہمارے مسلمانوں میں سے بڑے مؤثر طبقات تھے جو یہی رائے رکھتے تھے۔ جمعیت علماءِ ہند کا یہی موقف تھا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسی متدین شخصیت اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسا نابغہ شخص اسی رائے کے حامل تھے۔ پنجاب میں مجلس احرار اسلام اور سرحد میں خدائی خدمت گار' یہ سب بڑی بڑی طاقتیں قیامِ پاکستان کے حق میں نہیں تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے یہ ملک وجود میں آیا۔ قیامِ پاکستان کے مخالف حضرات اپنی جگہ نیک نیت تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لیے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔ جبکہ قیامِ پاکستان کے حامیوں کا خیال یہ تھا کہ اگر ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوگیا تو یہاں مسلمانوں کا اور اسلام کا مستقبل بہت تاریک ہوگا۔ ہندو مسلمان کو ملیچھ (ناپاک) سمجھتا تھا اور بھارت ورش کی پوتر زمین کو ان سے پاک کرنے کے لیے ان کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اسلامیانِ ہند کی اکثریت ایک الگ خطۂ زمین اس لیے چاہتی تھی کہ یہاں اسلام کا نظام قائم ہو۔ ہمیں درحقیقت پاکستان سے زیادہ محبت اس اعتبار سے ہے کہ اس سرزمین سے یہ توقع وابستہ تھی کہ یہ احیاءِ اسلام کا نقطۂ آغاز بنے گی' یہاں سے نظامِ خلافت کا آغاز ہوگا۔ اپنا وطن ہونے کے اعتبار سے بھی اس سے محبت ہے کہ ہمارے گھر اسی سرزمین پر ہیں اور ہماری اولاد کا مستقبل اسی سرزمین سے وابستہ ہے' لیکن اصل محبت اس اعتبار سے ہے کہ ہمیں اُمید تھی کہ یہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا نقطۂ آغاز بنے گا۔ علامہ

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوی:۲۱۸۔ والدرر المنتشرة للسیوطی : ٦٥۔ ناصرالدین البانیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے: السلسلة الضعیفة : ٣٦۔

اقبال نے ۱۹۳۰ء میں پاکستان کے قیام کا خواب دیکھا تھا' اور ان کا دوسرا خواب یہ تھا کہ یہاں خلافتِ راشدہ کا ایسا نظام دوبارہ قائم ہو جائے جو پوری دنیا کے لیے ایک مینارۂ نور بن جائے۔ ان کا پہلا خواب تو ۱۷ سال کے اندر اندر ۱۹۴۷ء میں پورا ہو گیا' جبکہ دوسرے خواب کی ابھی تک کوئی تعبیر نظر نہیں آ رہی' بلکہ مایوسی کا غلبہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم نے ہندوستان کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں جگہ جگہ تقاریر کیں کہ ہمیں پاکستان اس لیے چاہیے کہ ہم وہاں اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کی بنیاد پر نظام قائم کر سکیں جو پوری دنیا کے لیے نمونہ بن جائے۔

اس کے علاوہ آنحضورﷺ کی احادیث موجود ہیں جن میں اس خطۂ زمین کی طرف اشارہ نظر آتا ہے۔ احادیث کی رو سے حضرت مہدی کا ظہور عرب میں ہونا ہے اور وہ اصل میں مجدد کامل ہوں گے' اسلام کی جو درجہ بدرجہ تجدید ہو رہی ہے وہ ان کی ذات پر مکمل ہو گی۔ لیکن ایک حدیث میں فرمایا گیا:

((یَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ فَیُوَطِّئُوْنَ لِلْمَھْدِیِّ یَعْنِیْ سُلْطَانَہٗ))(۲)

''مشرق سے فوجیں نکلیں گی' جو مہدی کی سلطنت کو جما دیں گی۔''

اس حدیث سے میں یہ سمجھا ہوں کہ چونکہ دولت کی زیادتی اور عیاشیوں کی وجہ سے عرب کھوکھلے ہو چکے ہیں' لہٰذا اگرچہ حضرت مہدی کا ظہور تو عرب میں ہو گا لیکن ان کی حکومت کو قائم کرنے کے لیے فوجیں کسی مشرقی ملک سے آئیں گی' اور پاکستان' افغانستان اور بھارت عرب کے مشرق میں واقع ہیں۔ علامہ اقبال نے جو ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' لکھا تھا' جو ''بانگِ درا'' میں شامل ہے' اس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ ؎

''میر عربؐ کو آئی ٹھنڈا ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے!''

یہ بات انہوں نے اس حدیث کی بنیاد پر کہی تھی کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہند کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے''۔ (ہمیں ابھی تک اس حدیث کا متن اور حوالہ نہیں مل سکا۔)

(۲) سنن ابن ماجه' کتاب الفتن' باب خروج المهدی۔ عن عبدالله بن الحارثؓ۔

پھر یہ کہ اُمتِ مسلمہ کی گزشتہ چار سو سالہ تاریخ میں برعظیم پاک و ہند کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ مجددین کا سلسلہ ایک ہزار برس تک عالم عرب میں جاری رہا۔ اس کے بعد چار سو سال سے یہ سلسلہ ہندوستان میں جاری ہے۔ جب خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں' اُس وقت عالم اسلام میں کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی' لیکن ہندوستان میں ''تحریکِ خلافت'' کے عنوان سے ایسی عظیم تحریک اٹھی کہ گاندھی کو اس میں شریک ہونا پڑا' حالانکہ گاندھی کا خلافت سے کیا سروکار تھا؟ لیکن اسے اندازہ تھا کہ مسلمانوں سے تعاون حاصل کرنے کے لیے ان کی اس تحریک میں شرکت ضروری ہے۔ پھر تمام دنیا میں آزادی کی جو تحریکیں اٹھیں وہ لوکل نیشنلزم پر مبنی تھیں۔ مصطفیٰ کمال پاشا ترک نیشنلزم کا علم بردار بن کر کھڑا ہو گیا۔ سلطنتِ عثمانیہ ختم ہو گئی' لیکن ترکی بہرحال بچ گیا' اور یورپ کے سینے پر مونگ دلنے والا شہر قسطنطنیہ اب بھی یورپ کے ساحل پر موجود ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آخری زمانے میں جو ملاحم ہوں گے تو قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ مصر کے جمال عبدالناصر نے بھی انگریز کو اٹھا کر بحیرۂ روم میں پھینکا تو عرب نیشنلزم کے نام پر' اسلام کے نام پر نہیں۔ عراق اور شام میں بھی عرب نیشنلزم کا نعرہ لگا اور اسی بنیاد پر بعث پارٹی کی حکومت رہی۔ انڈونیشیا اور ملائشیا میں ملائے نیشنلزم کی بنیاد پر آزادی کی تحریک چلی۔ عالم اسلام میں آزادی کی صرف ایک تحریک ''تحریک پاکستان'' اٹھی' جس کا نعرہ تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!''

اُمید و یاس کے مختلف ادوار

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک تقریباً یقین کی کیفیت تھی کہ یہاں اسلام بس آیا ہی چاہتا ہے۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری اللہ کی حاکمیت کا اعلان اور انسانی حاکمیت کی نفی مطلق تھی۔ یہ گویا ریاستی سطح پر سیکولرزم کے خلاف اعلانِ بغاوت تھا۔ پھر جب یہ کہا گیا کہ کس کا اسلام نافذ ہو گا' شیعہ کا یا سنی کا؟ تو تمام مکاتب فکر اور دینی جماعتوں کی چوٹی کی قیادت نے مل بیٹھ کر متفقہ طور پر ۲۲ نکات منظور کیے کہ ان کی راہنمائی میں اسلامی دستور بنایا جائے۔ یہ بہت اچھا اور امید افزا آغاز تھا۔ اُس وقت

میں بھی جماعت اسلامی کا ایک ادنیٰ کارکن تھا اور خاص طور پر اپنے جماعتی ماحول میں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا کہ بس اسلامی انقلاب آیا کہ آیا! نعیم صدیقی مرحوم جو پنجاب میں مولانا مودودی مرحوم کے اوّلین ساتھی تھے' انہوں نے اس دَور میں بڑی ولولہ انگیز اور جذباتی نظمیں کہیں۔ ان کا یہ شعر ہم اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

بول شہر نظامِ اسلامی! کیا ترے سقف و بام کہتے ہیں؟
تیرے در پر کھڑے ترے والی آج تجھ کو سلام کہتے ہیں!

گویا ہم نظامِ اسلامی کے دروازے پر کھڑے دستک دے رہے تھے اور دروازہ کھلنے کے منتظر تھے۔

۱۹۵۶ء میں پاکستان کا اسلامی دستور بن چکا تھا اور اب انتخابات ہونے والے تھے' لیکن ۱۹۵۸ء میں اس گاڑی کو پٹڑی سے اتار دیا گیا۔ یاد رہے کہ دنیا میں ابلیس لعین کے سب سے بڑے ایجنٹ یہودی ہیں اور ان کا سب سے بڑا آلۂ کار امریکہ ہے۔ امریکہ نے پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کو اپنے ہاں بلا کر اس کی پیٹھ تھپکی' اور اس نے واپس آ کر دستور یہ کو بھی لپیٹ دیا' دستور بھی ختم کر دیا اور مارشل لاء نافذ کر دیا۔

اس کے بعد پاکستان میں جو تاریک رات آئی اُس میں مایوسیاں پروان چڑھتی گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سارے خواب پریشان ہو رہے ہیں۔ ایوب خان کے دور میں ''عائلی قوانین'' کا نفاذ کیا گیا تو تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے کہا کہ یہ غیر اسلامی ہیں' مگر وہ غیر اسلامی قوانین ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں نافذ ہو گئے۔ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو انگریز نے بھی نہیں چھیڑا تھا' اور بھارت کے مسلمانوں نے اب تک اپنے عائلی قوانین میں کسی مداخلت کی اجازت نہیں دی' لیکن یہاں ایک فوجی آمر نے غیر اسلامی عائلی قوانین نافذ کیے جو اَب تک نافذ ہیں۔ اس دور میں نعیم صدیقی صاحب نے یہ شعر کہا تھا ؎

اے آندھیو سنبھل کے چلو اِس دیار میں
اُمید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم!

اُس دور میں مولانا کوثر نیازی بھی جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن تھے۔ بعد میں ان کا جو بھی معاملہ رہا میں اس کو زیر بحث نہیں لانا چاہتا۔ اُس وقت انہوں نے بڑا تلخ شعر کہا تھا کہ:

اسلام کو گر تیری فضا راس نہ آئے
اے میرے وطن تجھ کو کوئی آگ لگائے!

یعنی ہماری نگاہ میں پاکستان کی اصل قدر و قیمت اس اعتبار سے ہے کہ یہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا گہوارہ بنے۔ ۱۹۵۸ء سے لے کر ۱۹۸۵ء تک معاملات ایسے رہے کہ وہ مایوسی بڑھتی ہی چلی گئی اور یہاں اسلامی نظام کے قیام کی جو اُمید تھی وہ تقریباً دم توڑ گئی‘ اگرچہ اُس وقت تک پاکستان کے وجود کے بارے میں کوئی مایوسی نہیں ہوئی تھی کہ یہ ملک رہے گا یا نہیں!

۱۹۸۵ء میں مجھے تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے ایک اُمید پیدا ہوئی اور میں نے اس کا برملا اظہار کیا۔ بنی اسرائیل جب آلِ فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے اور مصر سے نکلے تو انہیں جنگ کا حکم ہوا‘ جیسے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو اب قتال کا دور شروع ہوا۔ بنی اسرائیل کو جب جنگ کا حکم دیا گیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا۔ چھ لاکھ میں سے صرف دو آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ قتال پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بزدلی اور کم ہمتی کی یہ سزا دی کہ ارضِ مقدس ان پر چالیس برس تک حرام کر دی۔ چنانچہ وہ چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ اس دوران وہ پوری نسل جو مصر کی غلامی کا داغ اٹھائے ہوئے تھی‘ ختم ہوگئی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب ایک نئی نسل جوان ہو چکی تھی جو صحرا ہی میں پیدا ہوئی اور صحرا میں پروان چڑھی۔ اس نے صحرا کی سختیاں جھیلی تھیں‘ اور اقبال کہتا ہے ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!

آج بھی سوات سے نفاذِ شریعت کی تحریک چلانے والے مردانِ کہستانی ہی ہیں نا! خود اسلام کا آغاز بھی عرب کے صحرا ہی سے ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کی جو نئی نسل صحرا میں پیدا ہوئی اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نونؑ' جو نبی تھے' کی قیادت میں جنگ کی' جس کے نتیجے میں فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی۔ چنانچہ اس حوالے سے مجھے خیال ہوا کہ ہمیں بھی آزاد ہوئے چالیس برس ہونے کو ہیں اور ہم ابھی تک صحرائے تیہہ میں بھٹک رہے ہیں' اسلام کی طرف ہماری کوئی پیش قدمی نہیں ہو رہی بلکہ مایوسی ہو رہی ہے' لیکن کیا عجب کہ اب نئی نسل اُبھر کر آ گئی ہے تو شاید حالات ہمارے بھی بدل جائیں جیسے کہ بنی اسرائیل کے بدل گئے تھے۔ لہٰذا اُس زمانے میں میں نے ''استحکامِ پاکستان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی' جس میں یہ اُمید کی جھلک دکھائی تھی۔ جو حضرات بھی اس سے دلچسپی رکھتے ہوں کہ پاکستان کا صغریٰ کبریٰ کیا تھا' پاکستان کیسے بنا اور اس کے استحکام کے لیے سوائے اسلام کے اور کوئی بنیاد نہیں' وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ بہرحال اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس نئی نسل سے بھی کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی' اس نئی نسل نے بھی مغرب کو اپنا قبلہ بنا رکھا ہے۔ اگرچہ اس نئی نسل میں ایک بڑی تعداد مذہبی رجحان رکھنے والوں کی بھی ہے' لیکن ان کا تصور بھی مذہب کا ہے' دین کا انقلابی تصور موجود نہیں' دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کا کوئی جذبہ نہیں۔ چنانچہ اس دوران یاس و اُمید کی کیفیت مسلسل چلتی رہی' جس میں مایوسی غالب رہی۔

میری مایوسی کی یہ کیفیت آج سے ساڑھے چار سال پہلے اس انتہا کو پہنچ گئی کہ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اب پاکستان کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ۲۹ فروری ۲۰۰۴ء کو میں نے قرآن آڈیٹوریم میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں جو خطاب کیا تھا اس کے اخباری اشتہار کا عنوان یہ دیا تھا: ''کیا پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہوگئی ہے؟''۔ یہ خطاب اب ''پاکستان کے مستقبل کو لاحق خطرات و خدشات'' کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوتا ہے۔ اُس وقت واقعتاً میری کیفیت شکیل بدایونی کے اس مصرعے کا مصداق تھی کہ ع ''اُڑتے اُڑتے دُور اُفق پر آس کے پنچھی ڈوب گئے!''

اس انتہائی مایوسی کی بنیاد یہ تھی کہ پاکستان اپنے وجود کی نفی کر چکا ہے' یہ جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا اس مقصد کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی۔ یہ ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا' یہ کوئی نسلی' لسانی یا وطنی ریاست نہیں تھی۔ وطنیت کی تو نفی کر کے ہم نے یہ ملک بنایا تھا' لیکن اس ملک میں نظریۂ پاکستان یعنی دین اسلام کہیں نہیں۔ اسلام ہے تو مذہب کی صورت میں ہے' لیکن مذہب اسلام تو ہندوستان میں بھی ہے۔ پھر کاہے کو لاکھوں جانیں دے کر یہ تقسیم کروائی گئی؟ مسجدیں تو وہاں بھی ہیں۔ مسجدیں تو امریکہ میں بھی ہیں اور ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن وہ اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی اور اس کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کہاں ہیں؟

اس مایوسی میں ۹ مارچ ۲۰۰۷ء کے بعد کے حالات وواقعات سے کچھ تھوڑی سی کمی آئی جب جسٹس افتخار محمد چودھری نے آمریت کے خلاف ایسی ہمت دکھائی کہ ہماری پوری عدلیہ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پھر اس کے بعد جو وکلاء کی تحریک چلی' اس کا کوئی سیاسی پس منظر نہیں ہے' کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ پھر یہ پڑھے لکھے سنجیدہ لوگ ہیں جو مڈل کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ جس طرح ڈٹے ہوئے ہیں اور جتنی سختیاں انہوں نے جھیلی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جاندار تحریک ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ شاید ہم سے کوتاہی ہوئی ہے کہ ہم نے ملک کے اس پڑھے لکھے طبقے تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا حق ادا نہیں کیا۔

اس کے بعد جب فروری ۲۰۰۸ء میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہوا تو بڑا شدید خطرہ تھا کہ ان میں دھاندلی ہوگی اور تحریک چلے گی' جیسے ۱۹۷۷ء میں بھٹو کے خلاف تحریک چلی تھی۔ اس کے بعد شدید اندیشہ تھا کہ اگر یہاں بدامنی پیدا ہوگئی تو ایک طرف سے نیٹو فورسز اور دوسری طرف سے بھارتی افواج پاکستان میں داخل ہو جائیں گی۔ اخبارات میں اطلاع آئی تھی کہ بھارتی افواج کو الرٹ کر دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے انہیں کسی پڑوسی ملک میں امن کے قیام کے لیے داخل ہونا پڑے۔ لیکن پاکستان میں انتخابات کے پرامن انعقاد سے یہ خطرہ ٹل گیا۔ ان دو باتوں سے کچھ امید بندھی ہے کہ

شاید اللہ تعالیٰ ہمیں مزید مہلت دے دے اور اس کے ذریعے سے یہاں پر خیر کی طرف کوئی پیش قدمی ہو جائے اور ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد آ جائے کہ ع ''کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!''

وطن عزیز پر عذابِ الٰہی کے سائے

اِس وقت جو صورت حال ہے' اگر زمینی حقائق کو دیکھیں تو انتہائی مایوسی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ' جیسا کہ میں نے بارہا کہا ہے' ہم پر اللہ کا ایک عذاب منافقت کی صورت میں مسلط ہے۔ سورۃ التوبۃ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں منافقین مدینہ میں سے ایک خاص قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ ان کو اپنے فضل سے مال و دولت عطا فرما دے تو وہ خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو اب انہوں نے بخل سے کام لیا' تجوریوں کو تالے لگائے اور پیٹھ موڑ لی اور بھول گئے کہ ہم نے کیا وعدہ کیا تھا۔ تو اس وعدہ خلافی کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کا روگ پیدا کر دیا۔ یہی سزا مسلمانانِ پاکستان کو ملی ہے اور آج یہ دنیا کی منافق ترین قوم ہے۔ افراد کی حد تک اس قوم میں نیک اور صالح لوگ موجود ہیں' جیسے علامہ اقبال کے بقول ابلیس نے کہا تھا:

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو!

لیکن مجموعی طور پر بحیثیت قوم ہم منافقت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک مظہر نفاقِ باہمی ہے کہ ہم ایک قوم نہیں رہے' قومیتوں میں منقسم ہیں۔ ہمارے ہاں پختون نیشنلزم' بلوچ نیشنلزم' سندھی نیشنلزم' سرائیکی نیشنلزم اور اردو نیشنلزم کے نعرے لگتے ہیں۔ ہم ایک قوم ہوتے تو کبھی کا کالا باغ ڈیم بن چکا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ہم نفاقِ عملی کا شکار ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ

بولے‘ وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے‘ اور اگر اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ یہ تینوں چیزیں ہمارے ہاں رواج پا چکی ہیں۔ آج ہمارے ہاں جو جتنا بلند مرتبت ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا‘ وعدہ خلاف اور خائن ہے۔ اب تو اربوں کے غبن ہوتے ہیں۔ اس ملک کو لوٹ لیا گیا ہے اور اس کا خون چوس چوس کر مغربی دنیا کے بینکوں میں جمع کرا دیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی ہمارے اخلاق کا دیوالہ نکل چکا ہے اور اِس وقت اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ وعدے کوئی قرآن وحدیث تو نہیں ہوتے! ظاہر ہے یہ صرف ایک فرد کا معاملہ نہیں‘ بلکہ یہ ہماری قوم کا مرض ہے‘ جس کا ظہور ((اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ))(۱) کی صورت میں ہو رہا ہے۔ یعنی ’’تمہارے اپنے عمل ہی تم پر حاکم ہو جاتے ہیں‘‘۔ حدیث نبویؐ ہے:

((کَمَا تَکُوْنُوْنَ کَذٰلِکَ یُؤَمَّرُ عَلَیْکُمْ))

’’جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تم پر امراء مقرر ہوں گے۔‘‘

چنانچہ یہ تو قوم کی اخلاقی حالت کا ایک انعکاس (reflection) ہے۔

پھر مالی اعتبار سے بھی ہمارا تقریباً دیوالہ نکل چکا ہے۔ ملکی معیشت کو آئی ایم ایف سے لے کر آکسیجن کی جو نلکی لگائی گئی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اور وہ آپ سے کیا ڈیمانڈ کریں گے‘ یہ سوچنے کی بات ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ آئی ایم ایف کے شکنجے میں جو ملک بھی آیا اس کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی۔ جو کچھ انڈونیشیا کے ساتھ ہوا تھا وہ کون نہیں جانتا؟ ملائشیا پھر بھی کچھ بچ گیا تھا‘ لیکن یہ جو ایشیائی ٹائیگرز تھے یہ آئی ایم ایف کی وجہ سے ہی ختم ہوئے تھے۔ ہم پر ایک وقت آیا تھا کہ ہم نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا تھا کہ ہم نے کشکول توڑ دیا ہے‘ ہم نے آئی ایم ایف سے آزادی حاصل کر لی ہے‘ لیکن ہم اب دوبارہ وہاں بھیک مانگنے کے لیے پہنچ گئے ہیں۔ ’’فرینڈز آف پاکستان‘‘ تو ہمیں ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہیں‘ سب نے ہمیں آئی ایم ایف کی طرف ہانک دیا! بہرحال زمینی حقائق کی روشنی میں صورت حال بہت ہی مخدوش ہے۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح‘ کتاب الامارۃ والقضاء‘ الفصل الثالث۔ شعب الایمان للبیہقی ۲۵۰۶/۶

آیاتِ قرآنی میں پاکستان کی منظر کشی

میں نے آغازِ خطاب میں سورۃ الانفال اور سورۃ النحل کی آیات تلاوت کی تھیں۔ پاکستان کا وجود میں آنا (genesis) سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ ہندوستان میں ہم اقلیت میں تھے اور ڈر رہے تھے۔ اُس وقت بھی ہندو نے ہمیں معاشی اعتبار سے دبایا ہوا تھا' اور خطرہ یہ تھا کہ اگر ہندوستان ایک ملک کی حیثیت سے آزاد ہو گیا تب تو یہ ہمیں ختم ہی کر دیں گے۔ اس آیت میں ہمیں یہی نقشہ نظر آتا ہے: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ 'یاد کرو جب تم اقلیت میں تھے' ﴿مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''زمین میں تمہیں دبا لیا گیا تھا''۔ تمہارے دشمنوں نے تمہیں دبایا ہوا تھا۔ ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ 'تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے''۔ یہ پورا تحریک پاکستان کا پس منظر ہے۔ ﴿فَاٰوٰىكُمْ﴾ ''پس اللہ نے تمہیں پناہ دی'' ﴿وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ﴾ ''اور تمہاری مدد کی اپنی نصرت سے''۔ معجزے کے طور پر پاکستان عطا کیا۔ اور میں نے اپنی کتاب ''استحکامِ پاکستان'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ پاکستان کا قیام ایک معجزہ تھا' یہ کسی طور بھی کسی حساب کتاب میں آنے والی بات نہیں تھی۔ ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اور ہم نے پاکیزہ چیزوں سے تمہیں روزی عطا کی تاکہ تم شکر کرو''۔ یہ تو ہے پاکستان کا آغاز! اور اب اس کی جو حالت ہے اس کا نقشہ بھی قرآن مجید میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں: ((فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ)) 'اس قرآن میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے بعد آنے والوں کے حالات بھی ہیں''۔

آج کی حالت کا نقشہ سورۃ النحل کی آیت ۱۱۲ کی روشنی میں دیکھئے: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے'' ﴿كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾ ''وہ امن میں بھی تھی' مطمئن بھی تھی'' ﴿يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ''اس کا رزق بھی اسے ہر طرف سے پہنچ رہا تھا'' ﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾

''لیکن اس بستی نے اللہ کی نعمتوں کا کفران کیا''۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آزادی اور اس کی نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا شکر ادا کرتے اور یہاں پر اللہ کا دین قائم کرتے' لیکن ان لوگوں نے کفرانِ نعمت کی روش اختیار کی اور اُس کے دین سے غداری کی۔ ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''تو اللہ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا' بسبب ان کے کرتوتوں کے''۔

اس آیت کی روشنی میں آج پاکستان کی حالت دیکھ لیجیے۔ ایک طرف غذائی اجناس کی قلت اور گرانی کا یہ عالم ہے کہ کبھی ہم نے ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ دوسری طرف خوف کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو محفوظ و مأمون نہیں سمجھتا' کسی کا مال و جان محفوظ نہیں ہے۔ اخبارات میں روزانہ کالم شائع ہو رہے ہیں کہ پاکستان کا مستقبل بہت مخدوش ہے۔ پوری دنیا میں اس کے بقا و استحکام کے خلاف منصوبے بن رہے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ ۲۰۲۰ء تک پاکستان کے نام سے کوئی ملک دنیا میں موجود نہیں ہوگا۔ اس کے حصے بخرے کرنے کے نقشے بن چکے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں یہ نقشہ بن چکا تھا کہ پاکستان کے ٹکڑے کر دیے جائیں گے۔ اس مخدوش صورتحال کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔ اور اس میں اگر تبدیلی کا کوئی امکان ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ ہم اپنی روش تبدیل کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اس پر ان شاء اللہ العزیز آئندہ نشست میں گفتگو ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے' اور ہم میں سے ہر شخص کو یہ توفیق دے کہ ہم کمر کس لیں اور طے کر لیں کہ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''یقیناً میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے''۔ آمین!

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(مرتب: حافظ خالد محمود خضر)

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

درس ۳

اقامتِ دین کا حاصل......قیامِ عدل

انجینئر نوید احمد☆

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾﴾ (الحدید)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾﴾ (النساء)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾﴾ صدق اللہ العظیم

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر، قرآن اکیڈمی کراچی

☆تمہیدی نکات

(۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ سوم سورۃ الحدید کی آیت ۲۵' سورۃ النساء کی آیات ۱۳۵ تا ۱۳۸ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(۲) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ اوّل اُن مقاماتِ قرآنی پر مشتمل تھا جن میں ہمارے دینی فرائض کا ایک جامع تصور پیش کیا گیا ہے۔ پھر درسِ دوم میں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کے فرض ہونے کا ذکر بڑے تاکیدی اسلوب میں ہمارے سامنے آیا۔ اب اِس سلسلہ کے درسِ سوم میں اقامت دین کی جدوجہد کا مقصد اور اِس جدوجہد کا وہ حاصل واضح کیا جائے گا جو نوعِ انسانی کے لیے رحمت وتسکین کا باعث ہوتا ہے۔

(۳) اقامت دین کے سلسلے میں عام طور پر ایک مغالطہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ کسی معاشرے میں اللہ کا دین غالب ہونے کے بعد کیا تبدیلی واقع ہوگی تو عموماً یہ جواب سامنے آتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے' بدکار کو سنگسار کیا جائے گا اور قتل کا بدلہ قتل ہوگا' وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ شریعتِ اسلامی میں مذکورہ بالا جرائم کے لیے یہ سخت سزائیں رکھی گئی ہیں تاکہ معاشرے کو اِن جرائم سے پاک کیا جائے' لیکن اسلامی نظام میں سزاؤں کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہے۔ اقامت دین کا اصل حاصل ایک ایسے عادلانہ اور پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے جس کے تحت جرائم کا سرزد ہونا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں تعلیم وتربیت اور وعظ وتبلیغ کے ذریعے افراد کی اِس حد تک اصلاح کر دی جاتی ہے کہ وہ ہر طرح کے جرم سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ رائے عامہ کو جرائم کے خلاف اِس حد تک تیار کر دیا جاتا ہے کہ معاشرے کا اجتماعی ضمیر جرائم کو برداشت نہیں کرتا اور اِن کے مرتکب سے نفرت کرتا ہے۔ معاشرے میں کفالتِ عامہ کا ایسا بندوبست کر دیا جاتا ہے اور افراد کی ضروریات کی فراہمی اِس حد تک کر دی جاتی ہے کہ جرائم کے ارتکاب کا امکان ہی نہیں رہتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ ایسے تمام اسباب کا قلع قمع بھی کر دیا جاتا ہے جو جرائم کی تحریک پیدا کرنے اور اِن کی ترغیب وتحریص دلانے والے ہوں۔ گویا معاشرتی زندگی میں ایسی رکاوٹیں پیدا کر دی جاتی ہیں کہ اگر کوئی شخص جرائم کا ارتکاب کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اِس سب کے بعد اگر پھر بھی کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تب اُسے سخت سزا دی جاتی ہے۔ اسلامی نظام کا مطلب محض سزاؤں کا نفاذ سمجھنا اور اِس نظام کی اصل شان یعنی عادلانہ اور پاکیزہ معاشرہ کے قیام کی طرف توجہ نہ کرنا' بہت بڑا مغالطہ ہے۔ یہ مغالطہ اُن لوگوں کے

ذہنوں میں بھی پایا جاتا ہے جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنی سی کسی کوشش میں سرگرم ہیں۔

آیات پر غور و فکر

سورۃ الحدید' آیت ۲۵

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ﴾ ''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ'' .....﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ 'اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو (نظامِ عدل)'' .....﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں'' ..... ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ﴾ 'اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صفت (یعنی جنگی قوت) ہے'' .....﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ''اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں'' .....﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ﴾ ''تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون ہے جو غیب میں رہتے ہوئے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے'' ..... ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے''۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا :

☆ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾

''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو''

آیت کے اِس حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے رسولوں کو تین چیزیں عطا فرمائیں:

(i) بَیِّنَاتِ یعنی واضح نشانیاں: یہ دراصل ایک رسول کو اس کی رسالت کے ثبوت کے طور پر عطا کی جاتی تھیں۔ یہ نشانیاں اکثر اُن معجزات کی صورت میں آئیں جو لوگوں کو حیران اور اُن کی عقل کو عاجز کر دیتے تھے اور اُن کا غیر معمولی ہونا لوگوں کے لیے رسولوں کے برحق ہونے کا ثبوت بن جاتا تھا۔

(ii) کتابیں : یہ وحی کی صورت میں ہدایتِ ربانی پر مشتمل ہوتی تھیں' جن میں ایمانی حقائق ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ بیان کیے جاتے تھے جو لوگوں پر اتمامِ حجت کے لیے کافی تھے۔ نیز اِن کتابوں میں اللہ کو مطلوب اعمال بھی واضح کر دیے جاتے تھے۔ کتاب کا معاملہ نبی اکرم ﷺ کے لیے ایک امتیازی شان اختیار کر گیا۔ آپ ﷺ کو حسی معجزات بھی عطا کیے گئے'

لیکن آپ ﷺ کی رسالت کی اصل نشانی آپ ﷺ کو عطا کی گئی کتاب ''قرآنِ مجید'' ہے۔ اِسی کے حوالے سے چیلنج دیا گیا کہ اگر کسی کو شک ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے تو اِس جیسا کلام پیش کر کے دکھائے۔

سورۃ البینۃ میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم اور اللہ کے رسول ﷺ کا مثالی عملی نمونہ باہم مل کر ''بینہ'' یعنی واضح دلیل بنتے ہیں :

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲﴾

''نہ تھے جدا ہونے والے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب اور مشرکین میں سے یہاں تک کہ آئی اُن کے پاس ایک واضح دلیل۔ یہ رسول ﷺ ہیں اللہ کی طرف سے جو تلاوت فرماتے ہیں پاکیزہ صحیفے۔''

(iii) **المیزان**: میزان اسم الآلہ ہے یعنی وزن کرنے والی شے۔ میزان مختلف ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی میزان سنار کے پاس ہوتی ہے جس میں تولے اور ماشے کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے اور ایک میزان لوہے کے کسی اسٹور پر ہوتی ہے جس میں پورے کے پورے ٹرالے اور ٹرک تولے جاتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام جو میزان لے کر آئے وہ ہے میزانِ عدل' جس میں انسانوں کے حقوق تولے جاتے ہیں کہ کس کا کیا حق ہے اور اُس کے ذمہ دوسرے کا کیا حق ہے!

اِس حوالے سے ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر عدل کے ساتھ انصاف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ انصاف کے معنی ہیں نصف نصف کر دینا' جبکہ عدل ہے حق دار کو اُس کا حق پہنچانا۔ اگر کسی معاملہ میں دو فریق برابر کے حصہ دار تھے تو اُن کے درمیان انصاف' عدل کی صورت اختیار کر لے گا۔ اِس کے برعکس صورت میں انصاف کرنا عدل کے خلاف ہوگا۔ انبیاء کی تعلیمات کا اصل حاصل ہے عدل۔ انبیاء کو عطا کیے گئے میزان سے مراد وہ قوانین و ضوابط ہیں جن میں عدل پایا جائے۔ اِن قوانین وضوابط میں ہر ایک کے حقوق و اختیارات کا تعین عدل کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیاسی سطح پر فرد اور اجتماعیت کے درمیان عدل' معاشی سطح پر سرمایہ اور محنت کے درمیان عدل' جبکہ سماجی سطح پر مرد و عورت اور انسانوں کے تمام رشتوں کے درمیان عدل' جیسے والدین کے حقوق' اولاد کے حقوق' بہن کے حقوق' بھائی کے حقوق وغیرہ وغیرہ۔

آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا :

☆ ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔''

◆ یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد قیامِ عدل بتایا ہے۔ آیت کا یہ حصہ رہنمائی دے رہا ہے کہ اِس دنیا میں اعلیٰ ترین مشن کیا ہوسکتا ہے! دنیا میں بھلائی کے کام کئی نوعیت کے ہوسکتے ہیں' مثلاً خدمتِ خلق' اصلاحِ معاشرہ' اصلاحِ رسومات' اصلاحِ عقائد' تعلیمی وتدریسی خدمت اور تزکیۂ نفس کا کام۔ بلاشبہ اللہ کے رسولوں نے مذکورہ بالا خیر کے کام بھی کیے' لیکن اُن کا اصل مشن دنیا میں عدل کا قیام تھا۔ گویا عدل کا قیام ہی دنیا میں کسی انسان کے لیے اعلیٰ ترین مشن ہوسکتا ہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کتاب صرف اِس لیے نازل نہیں فرماتا کہ اُس کی تلاوت کے ذریعہ حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کرلیا جائے' بلکہ مقصود یہ ہے کہ کتاب کی تعلیمات پر مبنی عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔ شریعت کی میزان اللہ نے اِس لیے عطا فرمائی کہ اُسے نصب کیا جائے۔ بہترین نظامِ عدل وقسط اگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو بے معنی ہے جب تک کہ وہ بالفعل نافذ نہ ہو۔ آج ہمارے دین دار طبقہ کی اکثریت نے اپنی دینی مساعی کو محض چند عبادات یا زیادہ سے زیادہ وعظ ونصیحت' درس وتدریس یا تربیت وتزکیہ تک محدود کرلیا ہے۔ نبیوں والا کام یہ ہے کہ مزید آگے بڑھ کر معاشرے میں ہونے والے ظلم و استحصال کے خلاف لوگوں کے جذبات مشتعل کریں۔ اُنہیں اس ظالمانہ نظام کے خلاف منظّم جدوجہد کے لیے متحرک کریں اور ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لیے تن من دھن لگانے پر آمادہ کریں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ اِذَا كَانَ مَظْلُوْمًا' اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ اَنْصُرُهٗ؟ قَالَ: ((تَحْجُزُهٗ اَوْ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ' فَاِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهٗ))(متفق علیہ)

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ اِس پر ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اُس کی مدد کروں گا اگر وہ مظلوم ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ اُس کی مدد میں کیسے کروں اگر وہ ظالم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُس کا ہاتھ پکڑ لو یا اُسے ظلم کرنے سے روک دو' پس یہی اُس کی مدد کرنا ہے''۔

◆ عادلانہ نظام کے نفاذ کی افادیت دو اعتبارات سے ہے :

(i) اِس دنیا میں عادلانہ نظام کا قیام اعلیٰ ترین خدمتِ خلق ہے۔ ظالمانہ نظام مسلسل مظلوم پیدا کرتا رہتا ہے اور اِس کے تحت سماجی خدمت کے کاموں سے محض چند مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے۔ پائیدار خدمت خلق یہ ہے کہ مظلوم پیدا کرنے والے نظام ہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔

(ii) عادلانہ نظام کا قیام دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے انسانوں کے لیے رحمت ہے۔ دنیا میں سکون محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ہمارا استحصال نہیں کر رہا اور ہمارے حقوق ہمیں حاصل ہو رہے ہیں۔ اِس پرسکون ماحول ہی میں انسان آخرت کی تیاری کے لیے اپنے مقصدِ زندگی یعنی اللہ کی عبادت کے لیے بھی یکسو ہوسکتا ہے۔ اِس کے برعکس ظالمانہ نظام خالق ومخلوق کے درمیان سب سے بڑا پردہ بن جاتا ہے اور آخرت کی تیاری کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اِس نظام میں انسانوں کی ایک عظیم اکثریت حیوانوں کی سطح پر آجاتی ہے۔ اُن کی زندگی کا صرف ایک مقصد رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح اپنے لیے دو وقت کی روٹی اور ضروریاتِ زندگی کا سامان پورا کرسکیں۔ اب اُن کے لیے کہاں اِس کا موقع ہے کہ وہ دینی تقاضے ادا کریں، اللہ سے لو لگا کر لذتِ مناجات اور حلاوتِ دعا کی سعادت حاصل کرکے آخرت کی تیاری کرسکیں۔ دوسری طرف دولتمند طبقہ مال ووسائل کی فراوانی میں مست ہوکر اللہ کو بھی بھول جاتا ہے اور اُس کے احکامات کو بھی۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بقول، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ایک دو دھاری تلوار کی طرح انسانوں کا استحصال کرتی ہے۔ اِس سے انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہوجاتی ہیں۔ سرمایہ داروں کا طبقہ مالِ حرام پر عیش تو کرتا ہے لیکن روحانی سکون سے محروم ہو کہ یادِ خدا اور فکرِ آخرت سے غافل رہتا ہے۔ پھر ایک حدیث نبویﷺ کے مطابق حرام کمائی سے پلنے والا جسم جہنم ہی میں جانے کا حق دار ہے (مسند احمد)۔ دوسری طرف غریب کو ضروریاتِ زندگی کی فکر نہ صرف ہر وقت ستائے رکھتی ہے بلکہ آخرت کی تیاری سے بھی بیگانہ رکھتی ہے، اور ممکن ہے کہ معاملہ کفر تک پہنچ جائے، کیونکہ ارشادِ نبویﷺ ہے: ((اِنَّ الْفَقْرَ یَکَادُ یَکُوْنُ کُفْرًا)) ''بے شک قریب ہے کہ فقر، کفر تک پہنچ جائے''۔ (الجامع الصغیر)

لہٰذا ضروری ہے کہ وہ نظامِ عدل وقسط قائم کیا جائے جس میں ہر ایک کو اُس کا جائز حق ملے، کوئی کسی دوسرے کے حق پر دست درازی نہ کرسکے، وسائل اور دولت کی تقسیم منصفانہ ہو، مواقع سب کے لیے یکساں ہوں، تمیزِ بندہ وآقا ختم ہوجائے، کوئی کسی کے تحت دبا اور کچلا ہوا

نہ ہو اور سب انسان واقعی آپس میں بھائی بھائی اور اللہ کے بندے بن جائیں۔

☆ ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

''اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صفت (یعنی جنگی قوت) ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں''

◆ یہ آیت کا وہ حصہ ہے جس میں انقلابی مضمون اپنے عروج پر ہے۔ انقلاب کسی معاشرے میں رائج نظام کی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اِس کے لیے رائج الوقت نظام کو پہلے تلپٹ کرنا پڑتا ہے اور پھر اُس کی جگہ نیا نظام آتا ہے۔ انقلاب لانے کے لیے پہلے وعظ' نصیحت' تلقین اور تبلیغ کی جاتی ہے لیکن اِس کے بعد ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں طاقت بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ تلقین و تعلیم' وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں تمام طبقات سے نیک سرشت لوگ دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ انقلابی دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں جن کے مفادات رائج الوقت نظام کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مخالفت کریں گے اور پھر اُن کے خلاف طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ یہ بات کہنا آسان نہیں ہے۔ جنگ اور خون ریزی کو پسند نہیں کیا جاتا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بات اور صرف دعوت و تبلیغ کے بیان ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آیت کے اِس حصہ میں اِس تلخ حقیقت کو بالکل کھلے انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

◆ یہاں لوہے کی افادیت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ بلاشبہ لوہا مفید اشیاء مثلاً کئی قسم کے آلات' ذرائع آمد و رفت' برتن' فرنیچر اور دیگر ضروریاتِ زندگی بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے' لیکن اِس کی اصل خوبی یہ ہے کہ اِس میں اللہ نے شدید قوتِ حرب و ضرب رکھی ہے۔ لوہے کا استعمال اسلحہ و دیگر عسکری ساز و سامان کی تیاری میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ پرانے زمانے کے ہتھیاروں یعنی تیر' نیزے اور تلواروں سے لے کر موجودہ دور کے بم' میزائل' بندوقیں' توپیں' ٹینک' گولے وغیرہ لوہے ہی سے بنتے ہیں۔ اِس آیت میں لوہے کے ذکر کی اہمیت کا مظہر یہ ہے کہ پوری سورۃ کا نام ہی ''الحدید'' ہے۔

◆ اِس جگہ دراصل اِس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نظامِ عدل کا قیام پُرامن طریقۂ کار سے ممکن نہیں' اِس کے لیے تصادم ناگزیر ہے اور لوہے کی عسکری خوبی کو بروئے کار لاتے ہوئے طاقت کا استعمال لازماً کرنا پڑے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ظالمانہ اور استحصالی نظام ازخود جڑیں نہیں چھوڑا کرتا۔ اِس نظام سے با اختیار طبقہ کے کچھ مفادات اور چودھراہٹیں

وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ طبقہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے عیاشی کر رہا ہوتا ہے اور آسانی سے اپنے مفادات سے دستبردار نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی تحریک اِس کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے اُٹھتی ہے تو یہ طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اِس تحریک کو کچلنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا ہے اور یوں مسلح تصادم کا مرحلہ آ کر رہتا ہے۔

◆ مسلح تصادم کی نوبت انقلابی عمل کے دوران آخری مرحلہ کے طور پر آتی ہے۔ پہلے دعوت دی جاتی ہے اور بات سمجھانے کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ اِس دوران مخالفت کے جواب میں کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہ کر کے یعنی Passive resistance کے ذریعہ مخالفین پر ایک اخلاقی اثر بھی ڈالا جاتا ہے۔ اب جن لوگوں کے دل میں واقعی خیر ہوتا ہے وہ وعظ و نصیحت اور انقلابی جماعت کے اخلاقی طرزِ عمل سے متأثر ہو کر اس کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ابوجہل کی طرح لاتوں کے بھوت ہوتے ہیں' اُن کے ساتھ مسلح تصادم کا مرحلہ آتا ہے اور لوہے کی طاقت استعمال کی جاتی ہے تاکہ قیامِ عدل کا مشن پورا کیا جا سکے۔

◆ اگر صرف افراد کی اصلاح اور اُن کا تزکیۂ نفس مطلوب ہو تو پھر درس گاہیں اور خانقاہیں بنا کر بھی یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ مخالفت اِس کام میں بھی ہو سکتی ہے لیکن اِسے جھیل کر کام جاری رکھا جا سکتا ہے اور کسی خون ریزی کی نوبت نہیں آتی۔ البتہ اگر پیشِ نظر وہ کام ہے جس کے لیے اللہ نے رسولوں کو بھیجا' یعنی ظالمانہ نظام کو ملیامیٹ کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا ہو تو پھر میدان میں آنا پڑے گا' باطل سے پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی اور جان کی بازیاں لگانی پڑیں گی۔ نظام کی تبدیلی مسلح تصادم کے بغیر ممکن نہیں۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے محبوب بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے خاص طور پر اُن کی اللہ کی راہ میں لڑنے کی شان کو نمایاں کیا :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصّف)

''بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں جم کر صف در صف گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔''

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (آلِ عمران)

''اور کتنے ہی نبیؑ ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے

جنگ کی، تو اُنہوں نے ہمت نہ ہاری اُن تکالیف پر جو اُنہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ باطل کے سامنے دبے، اور اللہ ایسے ہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب)

''مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا، تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر (جان) پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں، اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۱۱۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کیے جاتے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ)) (مسلم)

''جس کی موت اِس حال میں واقع ہوئی کہ نہ اُس نے کبھی (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ ہی اُس کے دل میں اِس کی آرزو پیدا ہوئی تو اُس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی۔''

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نظام کی تبدیلی کسی پُر امن طریقۂ کار سے ممکن نہیں۔ ایک رائے یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم محض تبلیغ کے ذریعہ ہی خاموش انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی تصور ہے کہ انتخابی سیاست میں حصہ لے کر بھی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ تجربات شاہد ہیں کہ استحصال اور جبر کرنے والے طبقات کبھی بھی پُر امن طور پر اپنے مفادات چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ بقول شاعر:

زورِ بازو آزما، شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے!

تاریخِ انسانی میں آج تک کوئی انقلاب بغیر مسلح تصادم کے نہیں آیا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو رحمۃ للعالمین جنابِ نبی کریمﷺ تلوار تو کجا ایک چھڑی تک اپنے ہاتھ میں نہ لیتے اور صرف اپنی مؤثر تبلیغ کے ذریعہ ہی حق کو غالب فرما دیتے، لیکن آپﷺ کو بھی آخر کار غلبۂ دین کے لیے تلوار اٹھانا پڑی اور اپنے اُن محبوب ساتھیوں رضی اللہ عنہم کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا جن کی تربیت اور تزکیہ آپﷺ نے بڑی عرق ریزی سے کیا تھا۔

◆ آیت کا یہ حصہ اُس مغالطہ کا بھی ازالہ کرتا ہے جو مستشرقین کو نبی اکرمﷺ کی سیرت کے حوالے سے محسوس ہوتا ہے۔ اُنہیں آپﷺ کی مکی زندگی تو نبوی نظر آتی ہے لیکن مدنی زندگی میں آپﷺ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر وہ انتشارِ ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سن ۶ ہجری میں بظاہر دب کر صلح حدیبیہ کرتے ہوئے وہ آپﷺ کو نبوی رنگ میں دیکھتے ہیں، لیکن سن ۸ ہجری میں ابوسفیان کی عاجزانہ درخواست کے باوجود آپﷺ کی طرف سے صلح کی تجدید نہ کرنا اُنہیں سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ بات واضح ہے کہ آپﷺ کا مقصد نہ صلح کرنا تھا اور نہ ہی جنگ۔ آپﷺ کا مقصد تھا عادلانہ نظام کا قیام۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے جس وقت جو طرزِ عمل مفید تھا آپﷺ نے اُسی کو اختیار فرمایا۔ اِس مقصد کے لیے ابتدا میں دعوت و تبلیغ کا عمل ہوتا ہے اور برائی کا جواب اچھائی سے دیا جاتا ہے:

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''جواب دو (بدی کا) اُس طور پر جو بہت اچھا ہو، تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست۔''

البتہ جو لوگ تبلیغ کے ذریعہ حق قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور ظلم کا بازار گرم رکھنا چاہتے ہیں، تو پھر اُن کی برائی کا جواب ویسی ہی برائی سے دیا جاتا ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

''اور بُرائی کا بدلا تو اُسی طرح کی بُرائی ہے۔''

یہ ہے وہ توازن جو صرف دینِ اسلام کی امتیازی شان ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اصلاحِ حال کے لیے نرمی بھی ہے اور سختی بھی، عفو و درگزر بھی ہے اور قصاص بھی، تبشیر بھی ہے اور انذار بھی۔ البتہ دورِ حاضر میں مسلح تصادم کے حوالے سے کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ دورِ حاضر میں انقلابی عمل کیا ہوگا؟ ان شاءاللہ اِس سوال کا جواب ہم درسِ چہارم میں سمجھیں گے۔

☆ ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾

''تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔''

◆ آیت کے اِس حصہ میں لِيَعْلَمَ کا لفظی ترجمہ ہوگا ''تاکہ اللہ جان لے''۔لیکن چونکہ اللہ کا علم ہر اعتبار سے کامل اور ماضی، حال، مستقبل پر حاوی ہے، اُسے ہر بات کا پہلے ہی سے علم ہے لہٰذا مناسب ترجمہ ہوگا ''تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد کرتا ہے غیب میں رہتے ہوئے''۔اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد سے مراد ہے اللہ کے دین کی مدد۔دین اللہ کا ہے اور اُسے غالب کرنا مشن تھا اللہ کے رسول ﷺ کا۔لہٰذا جو دین کے غلبہ کی جدوجہد کر رہا ہے وہ درحقیقت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد کر رہا ہے۔یہ بات سورۃ الصّف کی آخری آیت میں اِس طرح بیان کی گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار، جیسا کہ پکارا تھا مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کے لیے؟ ساتھیوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

◆ نصرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ایک بڑا پیارا اور خاص طور پر ہمارے لیے انتہائی امید افزا ارشاد ہے جو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں مسندِ ابنِ ابی شیبہ سے نقل کیا ہے :

((يَا لَيْتَنِيْ قَدْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ!)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْنَا اِخْوَانَكَ وَ اَصْحَابَكَ؟ قَالَ: ((بَلٰى، وَلٰكِنَّ قَوْمًا يَجِيْئُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ، يُؤْمِنُوْنَ بِيْ اِيْمَانَكُمْ، وَيُصَدِّقُوْنِيْ تَصْدِيْقَكُمْ، وَيَنْصُرُوْنِيْ نَصْرَكُمْ، فَيَالَيْتَنِيْ قَدْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ!))

''اے کاش میں ملتا اپنے بھائیوں سے!'' صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم آپؐ کے بھائی اور ساتھی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! لیکن یہ وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، مجھ پر ایسے ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان

لائے ہو اور میری اُسی طرح تصدیق کریں گے جیسے تم نے کی ہے اور اُسی طرح میری مدد کریں گے جیسے تم نے کی ہے' تو اے کاش میں ملتا اپنے بھائیوں سے۔''

◆ آیت کے اِس حصہ میں اہلِ ایمان کو بہت بڑا اعزاز دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد کریں گے تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مددگار قرار پائیں گے۔ کہاں اللہ اور کہاں انسان! پھر کیا مقام و مرتبہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا اور کیا اوقات ہے ایک عام انسان کی۔ اللہ جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن ہمارے امتحان کے لیے اُس نے دین کی سربلندی کے لیے کوشش کا ہمیں حکم دیا ہے۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اُس کے نازل کردہ نظامِ عدل وقسط کو نافذ کرنے کے لیے اور اُس کی نازل کردہ میزان کو نصب کرنے کے لیے اپنا مال نذر کرتا ہے اور اپنی جان کی بازی لگاتا ہے۔ اب جو کوئی ایسا کرے گا' وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مددگار قرار پائے گا۔ سچے اہلِ ایمان نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ عالم واقعہ میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد بھی کرتے ہیں :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات)

''مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول ؐ پر ایمان لائے' پھر شک میں نہ پڑے' اور اُنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔''

مال و جان سے جہاد کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کی قدر افزائی کی جاتی ہے اور اللہ اُنہیں اپنا اور اپنے رسول ﷺ کا مددگار قرار دیتا ہے۔ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر اور کوئی اونچا مقام نہیں ہو سکتا۔ خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اللہ کے وفادار ہیں' اللہ اور اُس کے رسول ؐ سے سچی محبت کرنے والے ہیں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تن من دھن سے جہاد کرتے ہوئے اپنے لیے سعادتیں سمیٹ رہے ہیں۔ یہ سعادتیں بدرجۂ اتم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آئیں کہ اُنہوں نے پہلے اندرونِ ملکِ عرب غلبۂ دین کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی نصرت کی اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے ایک بڑے حصہ تک اِس عادلانہ نظام کی توسیع کا کارنامہ انجام دیا۔ اِس حوالہ سے فاتحِ ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ تاریخی ہیں جو اُنہوں نے ایران پر حملہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمائے تھے کہ :

اِنّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجِهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْکِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

''بلاشبہ ہمیں بھیجا گیا ہے تاکہ ہم نکالیں لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف' اور بادشاہوں کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے دین کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور اِسی خدمتِ دین کی راہ میں موت عطا فرمائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَّاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ)) (مسلم)

''جس نے سچی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی' اللہ تعالیٰ اُس کو شہداء کے مقامات میں پہنچا دیں گے' خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔''

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اَنْ نُّجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِكَ بِاَمْوَالِنَا وَاَنْفُسِنَا وَارْزُقْنَا شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ- آمین

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾﴾

''بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

آیت کے اِس آخری حصہ کے ذریعہ اِس مغالطہ کی نفی کی گئی کہ اللہ عاجز و لاچار ہے اور بندوں سے مدد مانگ رہا ہے۔ دین کی سربلندی کی خاطر کوشش کرنے کا تقاضا اللہ کی طرف سے صرف اِس لیے ہے تاکہ ہم اِس کے ذریعہ اپنے ایمان کی سچائی کا ثبوت فراہم کر دیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ بہت قوت والا اور زبردست ہے۔ اُس کی حکومت اپنے بل پر قائم ہے اور اُس کا اختیار پوری کائنات پر محیط ہے۔ اُسے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک حکم سے ظالموں کو نیست و نابود اور دینِ حق کو غلبہ عطا کر سکتا ہے۔ یہ اُس کی اپنے بندوں کے لیے قدر افزائی ہے کہ اگر وہ دین کے لیے مال صرف کریں تو وہ اِس کو اپنے ذمہ قرض سے تعبیر کرتا ہے اور اگر وہ اُس کے دین کے لیے اپنی جانیں کھپائیں تو وہ اِسے اپنی نصرت قرار دیتا ہے۔

سورۃ النساء: آیات ۱۳۵۔۱۳۸

☆ آیت ۱۳۵

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!'' .....﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ

بِالْقِسْطِ﴾ ''ہو جاؤ کھڑے ہونے والے عدل کے ساتھ'' ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ''گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لیے'' ..... ﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ ''خواہ وہ تمہارے خلاف ہو'' ..... ﴿اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''یا والدین کے اور عزیز و اقارب کے'' ..... ﴿اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا﴾ ''اگر وہ غنی ہوں یا فقیر'' ..... ﴿فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ ''تو اللہ اُن کا زیادہ خیر خواہ ہے'' ..... ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ ''پس خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو کہ تم عدل نہ کرو'' ..... ﴿وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا﴾ ''اور اگر تم نے زبان کو موڑا (حق چھپانے کے لیے) یا اعراض کیا (حق سے)'' ..... ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾﴾ ''تو بے شک اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُس سے جو کچھ تم کر رہے ہو''۔

◆ اِس آیت میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ قیامِ عدل کے علم بردار بن کر کھڑے ہو جائیں۔ معاشرے میں ظلم و ستم اور استحصال کو ہرگز برداشت نہ کریں اور اِس کے خاتمہ کے لیے تن من دھن لگا دیں۔

◆ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے مراد ہے کہ قیامِ عدل کی جدوجہد کرنے والے اللہ کے حق میں گواہ بنتے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں بڑے جلالی اسلوب واضح کیا گیا کہ قیامِ عدل' اللہ تعالیٰ کی وہ خصوصی شان ہے جس پر نہ صرف خود اللہ گواہ ہے بلکہ تمام فرشتے اور صاحبانِ علم بھی گواہ ہیں :

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾﴾

''گواہی دیتا ہے اللہ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور صاحبانِ علم' قائم کرنے والا ہے عدل کا' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں' زبردست ہے بڑی حکمت والا''

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ قیامِ عدل کے لیے جدوجہد کرو خواہ اِس کا نقصان تمہیں ہو یا تمہارے والدین اور قرابت داروں کو۔ انسان کے عدل سے گریز کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ عدل کی زد اپنے یا اپنے عزیزوں کے مفادات پر پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دُنیوی نفع و نقصان سے بالا تر ہو کر عدل کے قیام کو ترجیح دو۔ تمہارا مقصد اپنے مفادات کا تحفظ یا عزیزوں کی خوشنودی کا حصول نہیں بلکہ اللہ کی رضا ہونا چاہیے اور یہ رضا ملے گی قیامِ عدل سے۔

◆ آیت میں مزید فرمایا کہ اپنے آپ کو لوگوں کا زیادہ خیر خواہ مت سمجھو۔ ہر انسان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اُس کا خالق اللہ ہے۔ اُسی کے عطا کردہ ضابطوں میں عدل ہے۔ انسان جب بھی کوئی قانون یا دستور بنائے گا تو وہ ضرور عدل سے ہٹ ہو کر ہوگا' کیونکہ انسان

اپنی حیثیت میں خود ایک پارٹی ہے۔ سرمایہ دار کوئی قانون بنائیں گے تو وہ سرمایہ داری کے حق میں ہوگا' مزدور کوئی قانون بنائیں گے تو پلڑا اپنی طرف جھکا دیں گے' مرد کوئی قانون بنائیں گے تو اپنے مطلب کو پورا کریں گے اور خواتین کوئی قوانین بنائیں گی تو اپنے مفادات کا پاس کریں گی۔ عدل پر مبنی قانون کسی ایسے تیسرے فریق کی طرف سے ہوسکتا ہے جس کا تمام انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کا مشترک رشتہ ہو۔ یہ مقام اللہ کے سوا کسی اور ذات کا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمام انسانوں کا خالق' مالک اور رب ہے۔ اُس کی نگاہ میں مرد اور عورت' امیر و غریب' حاکم اور عوام سب برابر ہیں اور وہ سب کی مصلحتوں سے پوری طرح واقف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون ہی مبنی بر عدل ہوسکتا ہے۔

◆ اِس کے بعد آیت میں حکم دیا گیا کہ خواہشات کی اِس طرح پیروی نہ کرو کہ تم عدل کے منافی فیصلہ کر بیٹھو۔ بعض اوقات انسان نیک خواہش کے تحت کسی غریب آدمی کے بھلے کے لیے حق سے اعراض کر لیتا ہے یا کسی تعلق کی وجہ سے کسی صاحبِ ثروت آدمی کو نقصان سے بچانے کے لیے عدل کا راستہ ترک کر دیتا ہے۔ یہاں اِس طرزِ عمل کی شدت کے ساتھ نفی کی جا رہی ہے۔ فرمایا اگر تم نیک نیتی کے ساتھ بھی' خلافِ عدل کسی کی خیر خواہی کرو گے تو نیکی کا اجر ملنا تو درکنار الٹا اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے۔

◆ آیت کے آخری حصہ میں فرمایا اگر تم نے اپنی زبان کی گڑبڑ سے کوئی لگی لپٹی بات کہہ کر حق کو چھپایا یا کسی بھی طور پر حق سے پہلو تہی کی تو جان لو اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور تم اُس کی پکڑ سے بچ نہ سکو گے۔

☆ آیت ۱۳۶

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!''..... ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر''..... ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ ''اور اُس کتاب پر جو اُس (اللہ) نے نازل فرمائی اپنے رسولؐ پر''..... ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اُن کتابوں پر جو اُس (اللہ) نے نازل فرمائیں اِس سے پہلے''..... ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ﴾..... ''اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا''..... ﴿وَمَلٰٓئِكَتِهٖ﴾ ''اور اُس کے فرشتوں کا''..... ﴿وَكُتُبِهٖ﴾ ''اور اُس کی کتابوں کا''..... ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ ''اور اُس کے رسولوں کا''..... ﴿وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور آخرت کے دن کا''..... ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾﴾

’’تو وہ بھٹک گیا بہت دور کا بھٹکنا۔‘‘

◆ اِس آیت میں بظاہر ایک عجیب نکتہ ہے کہ اہلِ ایمان کو ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔ یہ نکتہ سمجھنا آسان ہے اگر ایمان کے دو درجوں سے آگاہی حاصل ہو۔ ایمان کا ابتدائی درجہ ہے’’ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ‘‘ یعنی زبان سے اقرار‘ جسے قانونی ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کا دوسرا درجہ ہے’’ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ‘‘ یعنی یقینِ قلبی‘ جسے ایمانِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ اِس آیت میں قانونی ایمان رکھنے والوں کو حقیقی ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

◆ عدل پر قائم رہنا اور قیامِ عدل کے لیے استقامت کے ساتھ جدوجہد کرنا‘ پختہ ایمان اور گہرے یقین کے بغیر ممکن نہیں۔ اِسی لیے اس آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی جارہی ہے کہ وہ ایمان میں گہرائی اور پختگی کے حصول کی کوشش کریں۔ دل کی گہرائیوں سے اللہ کو اپنا رب مان لیں‘ حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول مان لیں‘ فرشتوں‘ کتابوں اور آخرت کے دن پر بھی یقین رکھیں۔’’ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ‘‘ یعنی زبانی اقرار کی بنیاد پر قانونی ایمان تو اُنہیں حاصل ہے لیکن اب’’ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ‘‘ یعنی یقینِ قلبی کے حصول کی کوشش کر کے ایمانِ حقیقی سے باطن کو منور کریں۔ ایمانِ حقیقی وہ ہوتا ہے جو انسان کا حال بن جاتا ہے اور اُس کے سیرت و کردار میں نظر آتا ہے۔

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا اللہ کا‘ اُس کے فرشتوں کا‘ اُس کی کتابوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ ایمانِ حقیقی کے مقابلہ میں کفر کی اصطلاح دراصل نفاق یا منافقت کے لیے ہے۔ گویا اہلِ ایمان کو نفاق سے بچنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ مال‘ جان اور اولاد کی محبت کا حد سے بڑھ جانا اور غلبۂ دین کی تحریک کے تقاضوں پر غالب آنا’’ نفاق‘‘ ہے اور سورۃ البقرۃ آیت ۱۰ میں نفاق کو ایک مرض قرار دیا گیا ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے شوق سے کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ نفاق کی بیماری بھی ایک مسلمان کو لگ جایا کرتی ہے۔ ہمیں بھی اِس بیماری کے لاحق ہونے کا اندیشہ رہنا چاہیے‘ کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے:

قَالَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ: اَدْرَکْتُ ثَلَاثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ مَا مِنْھُمْ اَحَدٌ یَّقُوْلُ اِنَّہٗ عَلٰی اِیْمَانِ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ‘ وَیُذْکَرُ عَنِ الْحَسَنِ: ((مَا خَافَہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ))

''ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہؓ سے ملاقات کی' وہ سب کے سب اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔اُن میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ نہ تھا کہ وہ حضرت میکائیلؑ اور حضرت جبرائیلؑ کے ایمان پر ہے۔اور حسن بصریؒ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ ''ایک مؤمن ہی نفاق سے خوف زدہ ہوتا ہے اور ایک منافق ہی اِس سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔''

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ اُن لوگوں کو ہے جن پر دینِ اِسلام کے اصل تقاضے یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی اطاعت کرنا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور دین کے غلبے کے لیے مال اور جان سے جہاد کرنا واضح ہو چکے ہیں۔اب اگر وہ اِن تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْقُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکَذِبِ وَ اَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِیُ الصُّدُوْرِ آمین۔

◆ قرآنِ حکیم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جماعت میں بھی منافقین موجود تھے' لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی اور جماعت اِس مرض کے شکار گروہ سے پاک ہو۔البتہ کامیابی دراصل اِس بات میں ہو گی کہ اِس مرض پر قابو پانے کی شعوری کوشش کی جائے۔جماعت کا ہر ساتھی اپنا جائزہ لیتا رہے کہ کہیں اِس کا طرزِ عمل یا کوئی کام ایسا تو نہیں جیسا دورِ نبوی ﷺ میں منافقین کا تھا اور قرآنِ حکیم میں جس کی مذمت کی گئی ہے۔قرآنِ مجید نے منافقین کی روش تفصیل سے بتائی۔اُن کے حربوں اور حیلوں کو واضح کیا۔اُن کے تبصرے بیان کیے۔مختلف معاملات میں جس طریقے سے اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی حیثیت کو مجروح کرنے یا آپ ﷺ کے مشن میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی' اِس سب کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا گیا۔نبی اکرم ﷺ نے بھی نفاق کی علامات کا ذکر اپنے کئی ارشادات میں کیا۔یہ تمام تفصیلات اِس لیے نہیں کہ ہم اِنہیں ''اساطیر الاولین'' سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔جو کچھ اُس دور میں منافقین نے کیا وہ ہر دور میں کچھ لوگ کسی بھی رضا کارانہ (volunteer) ادارے میں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔اگر ہم اِن تمام تفصیلات کو سامنے رکھیں گے تو خود احتسابی میں آسانی ہو گی۔جماعتی زندگی میں بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ انسان محسوس کرے گا کہ مجھ سے بھی وہی حرکت سرزد ہوئی ہے جو فلاں موقع پر عبداللہ بن ابی

سے سرزد ہوئی تھی۔ کسی قربانی سے بچنے یا کسی کام سے گریز کے لیے میں نے وہی بہانا کیا ہے جو منافقین کیا کرتے تھے۔ امیر کے کسی حکم پر میں نے ویسا ہی تبصرہ کیا ہے جیسے منافقین کرتے تھے۔ کسی ذمہ دار کے حوالے سے میرے دل میں ویسی ہی کدورت ہے جیسی قرآنِ حکیم میں منافقین کے لیے بیان کی گئی ہے۔

☆ آیت ۱۳۷۔۱۳۸

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے'' ..... ﴿ثُمَّ کَفَرُوۡا﴾ ''پھر اُنہوں نے کفر کیا'' ..... ﴿ثُمَّ اٰمَنُوۡا﴾ ''پھر وہ ایمان لائے'' ..... ﴿ثُمَّ کَفَرُوۡا﴾ ''پھر اُنہوں نے کفر کیا'' ..... ﴿ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا﴾ ''پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے'' ..... ﴿لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ﴾ ''اللہ اُن کو معاف نہ فرمائے گا'' ..... ﴿وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور نہ اُنہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا''۔ ﴿بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ) خوشخبری سنا دیجیے منافقین کو'' ..... ﴿بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ﴿۱۳۸﴾﴾ ''کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

◆ اِن آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہاں کفر سے مراد منافقت ہے۔ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو خلوص کے ساتھ ایمان لائے تھے لیکن بعد ازاں دین کے تقاضوں سے پسپائی اختیار کی اور ایمانِ حقیقی سے محروم ہوگئے۔ یہ دراصل مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ ہے کہ کچھ آگے بڑھا' پھر پیچھے ہٹا' پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی' لیکن پھر کوئی مشکل مرحلہ آ گیا تو پسپائی اختیار کر لی۔ گویا اُن کے یقین کا گراف کبھی اوپر جاتا ہے اور کبھی نیچے آتا ہے' پھر اوپر جاتا ہے' پھر نیچے آتا ہے' بقول غالبؔ :

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

اِس کیفیت کی تمثیل سورۃ البقرۃ آیت ۲۰ میں بیان ہوئی ہے :

﴿کُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَہُمۡ مَّشَوۡا فِیۡہِ ۙ وَاِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡہِمۡ قَامُوۡا﴾

''جب (بجلی چمکتی اور) اُن پر روشنی ڈالتی ہے تو اُس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔''

یعنی ایمان کی روشنی کی وجہ سے دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں اور قدم اٹھاتے ہیں۔ پھر جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو ہمت جواب دے دیتی ہے اور بیٹھ رہتے ہیں۔ پھر ہمت کرتے ہیں' پھر بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ عمل جاری رہتا ہے' تا آنکہ ایسے لوگ مستقلاً بیٹھ رہتے ہیں اور اُن سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب کر لی جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں سورۃ المنافقون میں فرمایا گیا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ﴾

''اِس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' سو اب وہ سمجھتے ہی نہیں۔''

غزوۂ اُحد کے موقع پر منافقین میں ایمان و کفر کی کشمکش کو یوں بیان کیا گیا :

﴿ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ (آلِ عمران: ۱۶۷)

''اُس روز وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ قریب تھے۔''

• اِن آیات میں اعلانیہ یا قانونی کفر کا ذکر نہیں۔ نفاق کا کل معاملہ قلب سے متعلق ہے۔ قلب میں ایمان ہے تو انسان مؤمن ہے اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو پھر اُس کے منافق ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ دنیا میں ظاہری طور پر دونوں صورتوں میں انسان کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا' جیسے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی مثال ہے جس کے کفن کے لیے آپ ﷺ نے اپنا کرتا دیا اور ایک روایت کے مطابق اُس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی (بخاری)۔ اِس کے بعد آپ ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع کر دیا گیا۔

• ان آیات میں منافقین کے لیے وعید بیان کی گئی کہ اللہ نہ اُن کی مغفرت فرمائے گا اور نہ ہی اُنہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔ اللہ کی طرف سے مغفرت کے ہم سب محتاج ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ دن میں ستر ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے کسی معصیت کے سرزد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا مغفرت طلب کرنا اِس احساس کی وجہ سے تھا کہ مجھ پر اللہ کے دین کے غلبہ کی جو ذمہ داری ہے' اِس میں کوئی کمی اور کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اب غلبۂ دین کے مشن کی ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے۔ اگر ہم نے اِس ذمہ داری کو نبھانے کی اپنی سی کوشش کی تو سرخرو ہوں گے اور اگر پہلوتہی کی تو منافقت کا شکار ہو کر مغفرت اور سیدھی راہ کی ہدایت سے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ نے

ایسی روش پر غضب کا اظہار طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی ﷺ ''خوشخبری سنا دیجیے'' منافقین کو دردناک عذاب کی!

سورۃ المائدۃ: آیت ۸

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!'' ..... ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ﴾ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے'' ..... ﴿شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ ''عدل کی گواہی دینے والے بن کر'' ..... ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ ''اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ عدل نہ کرو'' ..... ﴿اِعْدِلُوْا﴾ ''عدل کرو'' ..... ﴿هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے'' ..... ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ کی نافرمانی سے بچو'' ..... ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝۸﴾ ''بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے''۔

◆ اِس آیت میں فرمایا کہ عدل کے علمبردار بن کر کھڑے ہو اللہ کے لیے۔ گویا قیامِ عدل کی جدوجہد اللہ سے محبت کا مظہر اور اُس سے وفاداری کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل کو اِس قدر پسند فرماتا ہے کہ اُس کا ایک صفاتی نام ''العدل'' ہے۔ ''العدل'' مصدر ہے اور یہ لفظ صفت کے طور پر نہیں آتا لیکن اللہ کا یہ بھی ایک صفاتی نام ہے' گویا اللہ سراپا عدل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دو اور صفاتی نام بھی عدل ہی سے متعلق ہیں یعنی ''العادل'' اور ''المقسط''۔ قرآنِ حکیم میں تین بار (المائدۃ:۴۲' الحجرات:۹' الممتحنۃ:۸) یہ الفاظ آئے کہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ ''بے شک اللہ محبت کرتا ہے عدل کرنے والوں سے''۔ اللہ کی محبت چاہیے تو ذاتی عبادات اور ریاضتوں کے ساتھ ساتھ میدان میں نکل کر باطل کے ساتھ پنجہ آزمائی بھی کرنی ہوگی یعنی ''رات کے راہب'' کے ساتھ ساتھ ''دن کا مجاہد'' بھی بننا ہوگا۔

◆ عدل کی راہ میں رکاوٹیں دو طرح کی ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے کسی عزیز کو فائدہ پہنچانا یا نقصان سے بچانا ہو۔ دوسرا یہ کہ کسی دشمن قوم کو نقصان پہچانا یا کسی فائدہ سے محروم کرنا ہو۔ سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں پہلی صورت کا ذکر کر کے عدل سے پہلوتہی کی ممانعت کی گئی اور سورۃ المائدۃ کی اِس آیت میں دوسری صورت کا ذکر کیا گیا۔ یہاں لَا یَجْرِمَنَّ کے انتہائی تاکیدی اسلوب میں خبردار کیا گیا کہ کسی قوم کی دشمنی تم سے یہ جرم سرزد نہ کرا دے تم کہ

عدل ہی نہ کرو۔

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا عدل کرو، وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ گویا تقویٰ کا تعلق صرف ذاتی نیکی اور عبادات سے نہیں بلکہ سماجی عدل سے بھی ہے۔ متقی انسان جہاں انفرادی معاملات میں اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، وہاں وہ معاشرے میں لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصال اور مختلف طبقات کے حقوق و فرائض میں عدم توازن کے خلاف بھی سرگرمِ عمل ہوتا ہے۔ منتخب نصاب نمبر ا کے پہلے حصہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ یعنی آیۂ بر کے درس میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ ایک نیک اور متقی انسان وہ ہوتا ہے جو حق و باطل کے معرکہ میں حصہ لیتا ہے اور بدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

◆ آیت کے آخر میں حکم دیا گیا وَاتَّقُوا اللّٰہَ .....''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔ تقویٰ دراصل ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے تین بار اپنے قلبِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا)) ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے''۔ تقویٰ کی وجہ سے انسان پر ہر وقت خدا خوفی اور اُخروی جواب دہی کا احساس طاری رہتا ہے، لہٰذا وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ جب تک انسان کے دل میں یہ یقین نہ ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ایک ایک عمل کی جوابدہی کرنی ہے، اُس کے لیے عدل پر قائم ہونا ممکن نہیں۔ انسان کبھی نیک نیتی سے کسی نادار کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی گواہی یا فیصلہ کو ایک طرف جھکا لیتا ہے۔ کبھی دشمن کا معاملہ ہو تو کسی قانونی نکتہ کا سہارا لے کر اُس کے خلاف گواہی یا فیصلہ دے دیتا ہے۔ ایسے میں انسان کا ضمیر خبر دار کر دیتا ہے کہ تم نے عدل نہیں کیا۔ اِس ظلم سے انسان اُسی وقت بچ سکتا ہے جب اللہ کا خوف اور اُس کی ناراضگی سے بچنے کا احساس اُس کے دل میں ہو۔ اِسی لیے آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اُس سے باخبر ہے۔ تمہارا چھوٹے سے چھوٹا عمل، کسی کے حق میں معمولی سا جھکاؤ (favour)، کسی کے خلاف چھوٹی سے چھوٹی زیادتی، سب اللہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عدل کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ اس کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نوعِ انسانی پر
نبی اکرم ﷺ کے احسانات

عتیق الرحمٰن صدیقی

چھٹی صدی عیسوی میں پورا عالم جاہلیت کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔ نوعِ انسانی نہایت سنگین، نازک اور مہیب صورتِ حال سے دوچار تھی۔ اخلاقی جرائم و ذمائم کی وحشت ناک کیفیت کا منظر کچھ ایسا تھا جیسے انسانیت اپنی خودکشی پر آمادہ و کمربستہ ہو، آدمیت کی بو باس فنا ہو چکی ہو، مادرِ گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفنانے کا عزم کر چکی ہو اور کرۂ ارضی ایک ویرانہ اور خرابہ کی صورت اختیار کر چکا ہو۔ صرف آدم کا نام زندہ ہو، مگر یہ آدم وہ نہ ہو جسے ربّ کائنات کے ہاں سے خلافت کا منصب جلیلہ عطا کیا گیا تھا اور وہ جو محسودِ ملائک بھی تھا اور مقصودِ آفرینش بھی۔ گویا سسکیاں لیتی ہوئی انسانیت آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑی تھی۔ ایسے میں چمنستانِ دہر کی سوختہ سامانیوں کو بہار آشنا کرنے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ فرقانِ حمید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''اور اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔''

عجیب دلخراش منظر تھا۔ انسانیت کی کشتی بھنور میں ہچکولے کھا رہی تھی، اسے سلامتی سے ساحل مراد تک پہنچانا وقت کا نہایت اہم اقتضا تھا۔ معاشرے کو اعتدال و توازن کے وصف

سے متصف کرنا' افراد کے حیوانی وسفلی تقاضوں کی جنوں خیز کیفیت کو ہوش وخرد سے ہمکنار کرنا اور بگڑے ہوئے بدبودار تمدن کی عفونت کو نظافت میں بدلنا' مظلوم ومجبور اور مقہور انسانوں کی عزتِ نفس کو بحال کرنا' انسانی شقاوت وسنگدلی کو ملائمت وملاطفت کی صورت عطا کرنا' اسے عدل وقسط کے جادۂ مستقیم پر گامزن کرنا نبی مکرم ﷺ کا حقیقی ہدف تھا۔ فیضانِ سماوی سے محروم معاشرہ کو وحی الٰہی کی بنیادوں پر کھڑا کر کے ایک صالح اور پاکیزہ فکر معاشرے میں تبدیل کرنا آپ ﷺ کا نصب العین تھا۔ یہ نہایت ہی جان سوز' جان گداز اور صبر آزما کام تھا' گہری حکمت' ذہانت وفطانت اور شجاعت وبسالت کا مقتضی تھا۔ مکالمہ بھی اور مقابلہ بھی' تعلیم بھی اور تلقین بھی' تنذیر بھی اور تبشیر بھی' آپؐ نے حالات کی مناسبت سے تمام اسالیب اپنائے اور تیئس سال کے عرصے میں فکر وآگہی' علم وعمل اور حق وراستی کا عظیم انقلاب برپا کیا۔

نبی اکرم ﷺ کی انقلابی تعلیمات کا اساسی نقطہ توحید تھا۔ یہ حیات بخش' عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ انبیاء کی وساطت سے انسانوں کو نصیب ہوا۔ یہ ایک عظیم نعمت تھی جو انہیں میسر آئی۔ یہ انہیں صرف ایک چوکھٹ پر سرنگوں کرنے کے لیے تھی کہ وہ بے حس وحرکت اور بے جان مردہ چیزوں کے بجائے اُس ذاتِ گرامی کے آگے سجدہ ریز ہوں جو زندہ وقائم ہے' اس کے سوا اور کوئی نہیں جو اپنے اندر معبودیت کی شان رکھتا ہو' جو پوجے جانے اور اطاعت کیے جانے کا مستحق ہو' جسے ولی اور کارساز سمجھا جائے' جس سے دعائیں مانگی جائیں' حاجتیں طلب کی جائیں' جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں اور جس سے حقیقی محبت رکھی جائے۔ صرف وہی ہے جو نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہی ہے جو کسی کے لیے قانون بنانے اور اپنا حکم چلانے کا ذاتی استحقاق رکھتا ہے' اور وہی ہے جس پر توکل کیا جائے اور جس کے حضور نذریں پیش کی جائیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ.....﴾

(البقرۃ:۲۱)

''لوگو! اپنے پروردگار کی پرستش کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا.....''

سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کو بایں الفاظ دعوت دی گئی:

﴿قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ (آیت ۶۴)

''(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے کتاب والو! آؤ ہم تم اس بات پر عملاً متحد ہو جائیں جس میں ہم تم عقیدہ میں متفق ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا ربّ نہ مانے۔''

نبوتِ محمدیؐ کا یہ پہلا کارنامہ تھا کہ اس نے دنیا کے معبدوں سے تمام باطل معبودوں کو باہر نکال کر پھینک دیا' باطل معبودوں کی عبادت اور پرستش یک قلم محو کر دی اور صرف ایک خدائے برحق کے سامنے خدا کی تمام مخلوقات کی گردنیں جھکا دیں۔ مولانا حالی نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:۔

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو تم اُسی سے لگاؤ — جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ!
اُسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم — اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اُسی کے طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی — نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی!

اِس خالص' بے آمیز اور حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم نے انسان کو ایک نئی قوت' حوصلے اور اعتماد سے سرشار کیا' ان میں نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی اور وہ ہر طرح کے بے جا خوف و رجا اور ہر طرح کے تشتت و انتشار سے محفوظ ہو گئے۔ اس عقیدہ نے انہیں وسعتِ فکر و نظر عطا کی' خودداری اور عزتِ نفس کا ادراک پیدا کیا' عجز و انکساری کے وصف سے نوازا' نفس کی پاکیزگی اور عمل کی نیکی سے متصف کیا' نیا عزم اور حوصلہ دیا' صبر و توکل کی زبردست طاقت سے ہمکنار کیا' اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا خوگر بنایا' قناعت اور بے نیازی کی شان کو اجاگر کیا اور انہیں اس کے قانون کا پابند بنایا' اور یوں شرک کی تمام تر نجاستوں سے منزہ کر دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اقدام یہ ہے کہ انہوں نے وحدتِ انسانی کا عظیم تصور پیش کیا۔ انسانیت جو مختلف قبیلوں' برادریوں' قوموں اور گروہوں میں بٹی ہوئی تھی' اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز نے انسانوں کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا' آقاؤں اور غلاموں کے سے فرق نے بندگانِ خدا کو ایک دردناک عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا' آپؐ نے وحدت و مساوات کا

تحیر انگیز اعلان کر کے ان تمام تر تعصّبات کے اصنام کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ فرمایا:

((یَا اَیُّـھَا النَّاسُ ! اِنَّ رَبَّـکُمْ وَاحِدٌ، وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ، اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ، وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ))

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر تقویٰ کی بنا پر۔ یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

یہ الفاظ نبی مکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم اجتماع میں ارشاد فرمائے۔ ان الفاظ میں دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ ہیں:

''یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوعِ انسانی کے خالق و صانع کی وحدت اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت۔ اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے اور دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں۔ دوسرے الفاظ میں توحید ''رَبّ'' اور ''توحید'' ''اَب'' کی تعلیم دی..... آج علم و فہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام، مصلحین اور داعیانِ اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روزمرہ کی حقیقت بنا دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سٹیج سے لے کر جس نے حقوقِ انسانی کا منشور شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق و مساواتِ انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے''۔ (نبی رحمت ﷺ، ص ۶۱۹)

مساواتِ انسانی کے بارے میں قرآن حکیم نے اعلان فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّـھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰـکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰـکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَـآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰـکُمْ ؕ﴾ (الحجرات:۱۳)

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے

تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو' اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

((لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِینٍ اَوْ تَقْوٰی)) (رواہ احمد)

''دین داری اور خدا ترسی کے سوا کسی شخص کو کسی پر کوئی وجہ فضیلت نہیں۔''

مولانا حیدر زمان صدیقی لکھتے ہیں:

''اگر پوری دیانت داری کے ساتھ اسلام کے صرف اس ایک باب کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اسلام کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا اور اس کے لیے دوسرے دلائل و براہین کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس ضمن میں پیغمبر اسلام ﷺ اور پیغمبر اسلام کی عملی سیرت کو سامنے رکھا جائے کہ انہوں نے کس طرح نہایت قلیل عرصہ میں زندگی کے ان اہم شعبوں میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا اور کس طرح قبائلی' نسلی اور وطنی جذباتِ عصبیت کو مٹا کر مساواتِ عمومی سے لوگوں کو روشناس کیا ؎

اُمتے بود کہ ما از اثر حکمت او
واقف از سر نہا نخانۂ تقدیر شدیم
اصل ما یک شررِ باختہ رنگے بود است
نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم'' اقبال

(اسلامی نظریہ اجتماع)

رحمۃ للعالمین ﷺ کا انسانیت پر ایک اہم احسان یہ ہے کہ آپؐ نے انسان کی قدر و قیمت اور تکریم کا نہایت اعلیٰ اور رفیع الشان تصور پیش کیا' ایک ایسے دَور میں کہ جب انسانی وجود بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا' حیوانات و نباتات کو انسانوں پر فوقیت دی جا رہی تھی' ان کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جا رہے تھے اور انہیں غلام بنا کر تعذیب کا شکار کیا جا رہا تھا۔ ابن آدم کو زر و سیم کے ناگ ڈسنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کر رہے تھے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائناتِ ہستی کا نہایت ہی قابل قدر اثاثہ ہے' اللہ نے اسے خلافت کی قبا پہنائی ہے اور یہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے اور بزمِ عالم کا صدر نشین ہے۔ قرآن حکیم نے کہا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری عطا کی اور پاکیزہ روزی بخشی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ))

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

''مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، اور اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے''۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کے حصول کے لیے انسانوں پر رحمت و شفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ، ارْحَمُوْا مَنْ فِى الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِى السَّمَاءِ)) (رواه الترمذى و ابوداؤد و احمد)

''رحم کرنے والوں پر رحمان کی رحمت ہوتی ہے، اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔''

مولانا حالی نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

بعثتِ محمدیؐ کے وقت نوعِ انسانی کے اکثر افراد کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ وہ فطرتِ انسانی سے بدگمان اور اللہ کی رحمت سے مایوس تھے۔ یہ تأثر پیدا کرنے میں ہندوستان کے قدیم مذاہب کا کردار بھی تھا اور عیسائیت کا بھی۔ انسان کے پیدائشی طور پر گنہگار ہونے کے تصور نے یاس و نومیدی کے سائے گہرے کر دیے تھے۔ آپ ﷺ نے ایسے ماحول میں اعلان فرمایا کہ ہر آدمی اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا سنوارتا بھی ہے اور بگاڑتا بھی ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝﴾ (النجم)

''یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنی کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے' مگر جب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت کا اظہار کرتا ہے اور اپنے ربّ سے معافی چاہتا ہے تو اس کا ربّ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔

اُس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اِک بار خطا ہو جاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

آپ ﷺ نے مایوس اور شکستہ دلوں کو تصورِ توبہ کے اعلان سے ایک سہارا دیا اور ان میں اعتماد کو بحال کیا۔ آپ ﷺ کے ناموں میں ایک نام نبی التوبہ (توبہ کا پیغمبر اور پیغام بر) بھی ہے۔ قرآن حکیم نے خدائے رحمان کی رحمتوں اور غفاریت کو بڑے دل نواز انداز میں اور بار بار بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳﴾ (الزمر)

''کہہ دیجیے! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے حق میں زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے' بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ (آیت ۱۱۲) میں اپنے باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقات کا ذکر کرتے ہوئے اس فہرست کا آغاز عابدوں اور زاہدوں کے بجائے ''التَّائِبُوْنَ'' سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

''میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔''

قرآن میں اپنے ایک پیغمبر کی زبان سے کہلوایا گیا:

﴿ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷﴾ (یوسف)

''اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہو سکتے ہیں جو خدا کے منکر اور اس کی ذات و صفات سے نا آشنا ہیں''۔

یوں تو بہ اور استغفار کی ترغیب سے حضور نبی کریم ﷺ نے افسردہ اور پژمردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونکی اور انہیں ایک نئے عزم، اعتماد اور شرف سے مشرف فرمایا۔

محسن اعظم ﷺ کا نوعِ بشری پر ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دین و دنیا کی وحدت کا تصور پیش کیا اور دونوں کو ایک اکائی قرار دیتے ہوئے مغائرت کی نفی کی۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں:

''دین و شریعت کی زبان میں نہ کوئی چیز 'دنیا' ہے اور نہ کوئی چیز 'دین'۔ اس کے نزدیک خدا کی رضا کی طلب، اخلاص اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصولِ معاش کی جدوجہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور خالص دین بن جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضائے الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی اور سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے''۔ (نبیٔ رحمت ﷺ، ص ۶۳۰)

قدیم مذاہب نے دین و دنیا کو دو خانوں میں بانٹا اور ان میں رقابت کی وسیع خلیج حائل کر دی۔ اس کے نتیجے میں بے شمار مفاسد رونما ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پوری روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا اور دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں کی دستبرد سے باہر نکالا، الحاد و لادینیت کے دروازے کو بند کیا اور دنیائے انسانیت کو یہ سبق دیا کہ انسان شتر بے مہار نہیں کہ جو چاہے کرے، بلکہ وہ پوری زندگی اپنے ربّ کے احکامات کی تعمیل کرنے کا پابند ہے۔

زندگی کی ایک واضح سمت متعین کرنا اور نوعِ انسانی کو ان کی حقیقی منزل سے آگاہ کرنا حضور نبی کریم ﷺ کا ایک نہایت اہم کارنامہ ہے۔ تربیت و تزکیہ کے ایک مؤثر نظام کی تشکیل جس کے نتیجہ میں ایک صالح معاشرہ وجود میں آیا، آپؐ ہی کی مسلسل جدوجہد اور کاوشوں کی رہین منت ہے۔ حضور ﷺ جس دَور میں مبعوث ہوئے اس میں انسانوں کی تمام تر ذہانت و

ذکاوت کا نقطۂ کمال یہ تھا کہ زر و مال کے انبار مجتمع کیے جائیں، زیادہ سے زیادہ رقبۂ زمین پر قابض ہوا جائے اور قوت و طاقت اور اقتدار حاصل کر کے ہوا و ہوس اور حرص و طمع کی تکمیل کی جائے۔ ان کے تخیل کی پرواز بلبل و طاؤس کی تقلید تک محدود تھی۔ ظاہری نقش و نگار اور رنگ و آہنگ کی تزئین ہی میں ان کی تسکین و طمانیت کا راز پنہاں تھا۔ نبی محترم ﷺ نے انہیں خود شناسی، خودنگری اور خدا شناسی کی معرفت عطا کی اور بتایا کہ آدمیت کا کمال باطنی قوتوں کو ترقی دینے، ایمان و ایقان کی دولت سے سرفراز ہونے اور اپنے بھائی بندوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے میں مضمر ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات سے دنیا کی رُت بدل گئی، مزاج میں ایک نکھار اور سنوار پیدا ہوا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا اور بے شمار عالی ہمت، اولوالعزم، عارفِ کامل اور داعیانِ حق پیدا ہوئے، جن کے مکارمِ اخلاق، رفعتِ کردار اور فیضانِ نظر سے من کی دنیا سوز و مستی اور جذب و شوق کی سرور آگیں دولت سے معمور ہوئی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

''اور (اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو۔''

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں:

''اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے''، یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت دراصل نوعِ انسانی کے لیے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے، کیونکہ آپؐ نے آ کر غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو چونکا دیا ہے اور اسے وہ علم دیا ہے جو حق اور باطل کا فرق واضح کرتا ہے، اور اس کو بالکل غیر مشتبہ طریقہ سے بتا دیا ہے کہ اس کے لیے تباہی کی راہ کون سی ہے اور سلامتی کی راہ کون سی!'' (تفہیم القرآن، جلد سوم)

حضور نبی مکرم ﷺ کسی ایک ٹکڑے، گوشے، گروہ اور قوم کے لیے ہی رحمت بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لیے، مشرق و مغرب کے لیے اور اَسود و اَحمر کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے تھے۔ سورۃ الاعراف میں اس ذاتِ اقدس کی رحمۃٌ للعالمینی کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ

عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ﴾

(الاعراف:۱۵۷)

''وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا' برائی سے روکے گا' پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کرے گا اور گندی چیزوں کو حرام ٹھہرائے گا' ان کو ان بوجھوں سے نجات دلائے گا جن کے نیچے وہ دبے ہوں گے اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے۔''

اس آیۂ کریمہ کے ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

''قبل بعثت کیا انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے' ان کے پاؤں میں قسم قسم کی بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں؟ نسل انسانی کیا رنگ رنگ کی جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی نہ تھی' ایسی کہ ان کی کمریں دوتہہ ہوئی جاتی تھیں' اور اُس وقت انسانی کاندھوں پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے کیا انہوں نے ان کی زندگی کو تلخ نہیں بنا ڈالا تھا؟ قانون کے جو پھندے ان کی گردنوں میں یا مذہبی آستانوں کے جو حلقے ان کے جسموں میں لپٹے ہوئے تھے کیا ان سے ان کی جسمانی و روحانی تسکین پامال نہیں ہو رہی تھی؟ ہاں ایسا ہی تھا! اُس وقت کی صدہا اَقسام کی مذہبی جکڑ بندیاں ایک لعنت بن کر نسل انسانی و نوعِ بشری کے ساتھ چپک گئی تھیں اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا خون ہو رہا تھا..... اس عالم یاس و آہ میں سرزمین مکہ سے ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبانِ نجات کے لیے وجہ نجات ثابت ہوتی ہے''۔ (رسول رحمت ﷺ۔ اردو ڈائجسٹ' دسمبر ۱۹۸۳ء)

اخذ واستفادہ

☆ نبی رحمت ﷺ از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
☆ سیرت النبی ﷺ' جلد پنجم' مولانا سید سلیمان ندویؒ
☆ اسلام ایک نظر میں' صدرالدین اصلاحیؒ
☆ دینیات' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
☆ تفہیم القرآن' جلد سوم
☆ اسلامی نظریہ اجتماع' مولانا حیدر زمان صدیقی
☆ اردو ڈائجسٹ' دسمبر ۱۹۸۳ء

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدۂ اہلِ اسلام

حبِ صحابہؓ، اہل بیتؓ کی نظر میں

بسلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت واجب ہے (۲)

ابن عبدالحق الہندی ☆

راہِ صواب سے بھٹکے ہوئے بعض فتنہ پرور یہ مکروہ پروپیگنڈا کیا کرتے ہیں کہ افرادِ اہل بیتؓ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کیا کرتے تھے اور اصحابِ رسولؐ آلِ پیغمبرؐ سے عداوت رکھتے تھے۔ ان کے بقول گویا دونوں فریقوں میں نفرت اور دشمنی کے جذبات پائے جاتے تھے۔ لیکن اصل حقیقت کی نقاب کشائی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض دشمنانِ صحابہؓ کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی ہے، امر واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مزید برآں یہ تصور نص قرآنی کے بھی خلاف ہے۔ قرآن تو فرماتا ہے: ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹) ''وہ آپس میں رحم دل ہیں''۔ اعدائے ملت کے پھیلائے ہوئے اس مذموم ومسموم تأثر کی نفی کے لیے ذیل میں اہل بیت کے چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں، جن سے واضح ہو جائے گا کہ اہل بیت بھی اصحابِ پیغمبرؐ سے قلبی محبت رکھتے اور ان کی مدح وثنا میں رطب اللسان رہتے تھے۔ یہاں یہ امر خصوصیت سے پیش نظر رہے کہ یہ تمام اقوال وارشادات غیر اہل سنت کی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

فرامین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایسے بہت سے اقوال ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کی عموماً اور شیخین رضی اللہ عنہما کی خصوصاً مدح وثنا کی گئی ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

● **شیخینؓ خیر اُمت ہیں:** سیدنا علی رضی اللہ عنہ اکثر اوقات جامع مسجد کوفہ کے منبر پر شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی عظمت وفضیلت بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس ضمن میں آپؓ کا ایک

☆ ایم اے، ایل ایل بی، فاضل علوم اسلامیہ، خطیب جامع مسجد طیب، لاہور

فرمان تواتر سے منقول ہے کہ:

ان خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکرٍ و عمرَ(۲۹)

''بلا شبہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے بہتر سیدنا ابوبکرؓ اور پھر سیدنا عمرؓ کی ذات گرامی ہے۔''

● **صدیقؓ و فاروقؓ عظیم مقام کے حامل ہیں**: آپؓ نے ایک اور مقام پر حضراتِ شیخینؓ کے مقام و مرتبہ کو یوں بیان فرمایا:

وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمتُ وانصحهم للّٰه ورسوله الخلیفة الصدیق والخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید رحمهما اللّٰه وجزاهما باحسن ما عملا(۳۰)

''میرے خیال کے مطابق اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی سب سے بڑھ کر خیر خواہی کرنے والے خلیفہ صدیق اور خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہما تھے۔ بخدا یہ دونوں اسلام میں عظیم مقام و مرتبہ کے حامل ہیں اور ان کی وفات سے پہنچنے والا نقصان اسلام میں انتہائی گہرے زخم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے اور ان کے اعمال کی انہیں بہترین جزا عطا فرمائے۔''

● **شیخینؓ محبوبِ علیؓ ہیں**: سیدنا امام جعفر الصادقؒ اپنے والد سیدنا محمد الباقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریشی امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطاب سن کر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ابھی آپ خطبے میں فرما رہے تھے کہ:

اللّٰهم اصلحنا بما اصلحتَ به الخلفاء الراشدین

''اے پروردگار! ہماری اصلاح فرما جیسے تو نے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی''

تو ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

حبیبای وعمّاک ابوبکر و عمر اماما الهدی وشیخا الاسلام ورجلا قریش والمقتدی بهما بعد رسول اللّٰه ﷺ من اقتدی بهما عصم ومن اتبع آثارهما هدی الی صراط مستقیم(۳۱)

''وہ میرے محبوب اور تیرے چچا ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ وہ دونوں امامِ ہدایت اور شیخ الاسلام تھے۔ وہ قریش کے دو عظیم اشخاص تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بعد قابل اقتداء تھے۔

جس نے ان کی پیروی کی وہ گمراہی سے محفوظ ہو گیا اور ان کی اتباع کرنے والا سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا۔‘‘

● **فاروق اعظمؓ اہل اسلام کا مرجع و ماویٰ ہیں:** بعض کینہ پرور لوگ سیدنا عمرؓ کو بطورِ خاص ہدفِ تنقید و تنقیص بناتے ہیں کہ انہوں نے اہل بیت پر بہت مظالم ڈھائے‘ لیکن دیکھئے کہ سیدنا علیؓ کا سیدنا فاروق اعظمؓ سے کیسا تعلق تھا۔ فاروقی عہد خلافت میں جب غزوۂ روم میں شرکت کا معاملہ درپیش تھا تو سیدنا عمرؓ کی خواہش تھی کہ وہ خود اس میں شریک ہوں‘ لیکن سیدنا علیؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپؓ کا جانا مناسب نہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:

> **انک متی تسر الی ھذا العدو بنفسک فتلقھم بشخصک فتنکب لا تکن للمسلمین کانفة دون اقصی بلادھم‘ لیس بعدک مرجع یرجعون الیه‘ فابعث الیھم رجلا مجربا واحضز معه اھل البلاء والنصیحة‘ فان اظھر اللّٰہ فذاک ما تحبّ‘ وان تکن الاخری کنت رداءً للناس ومثابة للمسلمین**(۳۲)
>
> ’’اگر آپؓ خود دشمنوں کی طرف بڑھے اور ان سے ٹکرائے اور کسی افتاد میں پڑ گئے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لیے سوائے دُور کے شہروں کے کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا‘ اور نہ آپؓ کے بعد کوئی ایسی پلٹنے کی جگہ ہوگی کہ اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ لہٰذا آپ ان کے مقابلے میں کسی دوسرے تجربہ کار آدمی کو روانہ فرمایئے اور اس کے ساتھ اچھی کارکردگی والے اور خیر خواہی کرنے والے لوگوں کو بھیج دیجیے۔ اگر خدا نے غلبہ دے دیا تو یہی آپؓ کا مطمحِ نظر ہے‘ اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت (شکست) ہوگئی تو آپ لوگوں کے لیے ایک مددگار اور پلٹنے کا مقام ہوں گے۔‘‘

غور فرمایئے کہ کیا کسی غاصب اور ظالم کو ایسا مشورہ دیا جا سکتا ہے اور اسے مسلمانوں کا مرجع و ماویٰ قرار دیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ سیدنا فاروق اعظمؓ کو مسلمانوں کے لیے ایک انتہائی اہم اور قیمتی ہستی سمجھتے تھے۔

● **عمر فاروقؓ رفیق مصطفیٰ ﷺ ہیں:** یہ تو فاروق اعظمؓ کی زندگی میں ان سے تعلق کا اظہار تھا کہ سیدنا علیؓ ان کی خیر خواہی فرماتے اور اپنے حکیمانہ مشوروں سے امورِ حکومت و سلطنت میں ان کی معاونت کرتے۔ جب سیدنا عمرؓ کو نمازِ فجر کی امامت کراتے ہوئے خنجروں کے وار کر کے شہید کر دیا گیا اور نمازِ جنازہ کے بعد آپؓ کے جسد اطہر کو قبر کے پاس رکھا گیا تو

سیدنا علیؓ صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیش پیش تھے۔ اس موقع پر آپؓ نے فرمایا:

انی لارجو اللّٰہ ان یلحقک اللّٰہ بصاحبیک رسول اللّٰہ ﷺ وابی بکر، فطالما سمعتُ رسول اللّٰہ ﷺ یقول : دخلتُ انا وابوبکر و عمر، خرجتُ انا وابوبکر و عمر، صعدتُ انا وابوبکر و عمر، اکلتُ انا وابوبکر و عمر، وانّی ارجو اللّٰہ ان یلحقک بصاحبیک ثم التفت الی الصحابۃ وھم علی شفیر القبر فقال : واللّٰہ ما احبّ ان القی اللّٰہ باکثر مما فی صحیفۃ ھذا المسجی(۳۳)

''مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کو آپ کے ساتھیوں یعنی رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبرؓ سے ملا دے گا۔ میں نے بارہا رسول معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ نکلے، میں، ابوبکرؓ اور عمرؓ چڑھے، میں نے اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے کھانا کھایا۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ باری تعالیٰ آپؓ کو اپنے ان دونوں ساتھیوں سے ملا دے گا۔ پھر آپؓ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے جو کہ قبر کے کنارے پر کھڑے تھے اور فرمایا: ''بخدا! میں نہیں چاہتا کہ میں خدا سے اس حال میں ملوں کہ میرے اعمال کفن میں لپٹے ہوئے اس شخص کے صحیفۂ حسنات سے بڑھ جائیں''۔

● <u>خدا عمرؓ کی کارکردگیوں کی جزا دے</u>: سیدنا علیؓ اپنے خطبوں میں سیدنا عمر فاروقؓ کے محاسن بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے۔ اسی نوعیت کا ایک خطبہ یہ ہے:

للّٰہ بلاء فلان فقد قوّم الاوَد وداوی العمد، خلّف الفتنۃ واقام السنۃ، ذھب نقی الثوب، قلیل العیب، اصاب خیرھا وسبق شرھا، ادّی الی اللّٰہ طاعتہ واتقاہ بحقہ.....(۳٤)

''باری تعالیٰ! فلاں شخص (فاروق اعظمؓ) کو اس کے کارہائے نمایاں پر جزا دے۔ انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا، فتنہ وفساد کو پیچھے چھوڑ دیا، سنت مصطفیٰ ﷺ کو قائم کیا۔ صاف ستھرے، پاکیزہ دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ (خلافت وحکومت کی) بھلائیوں کو پالیا اور اس کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ خدا کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف بھی کھایا''۔

● <u>سیدنا علیؓ کو شیخینؓ سے افضل جاننے والا مستحق عقوبت ہے</u>: امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بتواتر مروی ہے کہ آپؓ منبر کوفہ پر جلوہ افروز ہوکر یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

لا اوتی برجل یفضّلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حدّ المفتری(۳۵)

''میرے پاس اگر کسی ایسے شخص کو لایا گیا جو مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کی افتراء پردازی پر اسے حد لگاؤں گا۔''

دیگر ائمہ اہل بیت کے ارشادات

حب شیخینؓ کے بارے میں سیدنا علیؓ کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرمائے' اب دیگر ائمہ اہل بیت کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں۔

● **سیدنا حسن بن علی** رضی اللہ عنہما: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ باری تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرا دے گا(۳۶)۔ چنانچہ جب سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؓ میں صلح ہوئی تو سیدنا حسنؓ نے شرائطِ صلح میں ایک شرط یہ بھی لکھوائی کہ سیدنا معاویہؓ لوگوں کے مابین فیصلے اللہ کی کتاب' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطابق کریں گے۔ نیز امورِ مملکت بھی اسی طریقے پر چلائیں گے۔(۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اصحابِ ثلاثہ (شیخین و ذی النورین رضی اللہ عنہم) کو خلفائے برحق اور رہبر و مقتدا سمجھتے تھے۔

● **سیدنا علی بن حسینؓ زین العابدینؒ**: امام زین العابدین السجادؒ کے بارے میں مروی ہے کہ عراق میں سے کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور حضرات صدیق و فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبان درازی کی اور جرح و تنقیص کے کلمات کہے۔ آپؒ نے ان سے فرمایا:

الا تخبرونی: انتم المهاجرون الاوّلون ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾(الحشر) **قالوا: لا' قال: فانتم ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾** (الحشر:۹) **قالوا: لا' قال : اما انتم قد تبرّأتم ان تكونوا من احد هذين الفريقين' وانا اشهد انكم لستم من الذين قال اللّٰه فيهم : ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ**

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾(الحشر:۱۰)

اخرجوا عنی فعل اللّٰہ بکم(۳۸)

''مجھے بتاؤ' کیا تم وہ سبقت لے جانے والے مہاجر ہو (جن کا ذکر قرآن میں بایں الفاظ آیا ہے) ''جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے بے دخل کر دیے گئے ہیں' وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں ۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔'' وہ دشنام طراز کہنے لگے: نہیں ۔ امامؒ نے فرمایا: اچھا کیا تم وہ ہو (جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی) ''جنہوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا لی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو''۔ ان گستاخوں نے کہا نہیں' ہم ان میں بھی شامل نہیں ۔ اس پر امام زین العابدین نے فرمایا: تم نے خود اعلانِ براءت کر دیا کہ تم ان دونوں گروہوں میں سے نہیں' اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم بعد میں آنے والے ان افراد میں بھی شامل نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں' اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال''۔ جاؤ میری مجلس سے نکل جاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ وہی سلوک کرے جس کے تم مستحق ہو''۔

● یحییٰ بن کثیر جعفر الصادقؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محمد الباقرؒ کے حوالے سے بتایا کہ ایک شخص امام زین العابدینؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''مجھے ابوبکرؓ کے بارے میں بتایئے''۔ امام صاحبؒ فرمانے لگے: **عن الصدیق تسأل؟** ''تو الصدیق کے بارے میں پوچھتا ہے؟'' اس نے کہا: کیا آپ بھی ابوبکرؓ کو الصدیق کہتے ہیں؟ حضرت الامامؒ نے فرمایا:

ثکلتک اُمّک! قد سماہ من ھو خیر منی' رسول اللّٰہ ﷺ والمھاجرون والانصار' فمن لم یسمہ الصدیق فلا صدّق اللّٰہ قولہ اذھب' فاحِبّ ابابکر وعمرو تولّھما(۳۹)

''تیری ماں تجھے گم پائے ۔ ابوبکر کا یہ لقب تو ان ہستیوں نے رکھا ہے جو مجھ سے اعلیٰ و

افضل تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم۔ جو شخص ابوبکر کو صدیق نہیں کہتا خدا اس کی بات کو سچا نہ کرے۔ جا اور ابوبکر و عمرؓ سے محبت کیا کر اور انہیں دوست رکھ۔''

● امام محمد الباقرؒ: عروہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علیؒ سے، تلواروں کو آراستہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو امام الباقرؒ نے فرمایا:

لا بأس به قد حلى ابوبكر الصديق رضى الله عنه سيفه

''کوئی حرج نہیں، کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنی تلوار کو مزین و آراستہ کیا کرتے تھے۔''

میں نے عرض کیا: آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ اس پر آپؒ ایک جھٹکے سے اُچھل کر بیٹھے اور قبلہ رُخ ہو کر فرمایا:

نعم الصديق، نعم الصديق، نعم الصديق ، فمن لم يقل له الصديق فلا صدق الله له قولا فى الدنيا و لا فى الآخرة(٤٠)

''ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، جو ابوبکرؓ کو صدیق نہیں مانتا خدا دنیا و آخرت میں اس کی کسی بات کو سچا نہ کرے''۔

● امام جعفر الصادقؒ: ابوبصیرؒ روایت کرتے ہیں کہ میں امام ابوعبداللہ جعفر الصادقؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک خاتون (اُمّ خالد) آئی۔ وہ آپؒ سے گفتگو کی اجازت چاہ رہی تھی۔ امام جعفرؒ نے مجھ سے فرمایا: کیا تو اس کی بات چیت سننا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ چنانچہ آپؒ نے اس عورت کو اجازت دی۔ وہ اندر داخل ہوئی اور گفتگو کا آغاز کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ انتہائی فصاحت و بلاغت کی مالک تھی۔ دورانِ گفتگو اُس نے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا۔ امام جعفر الصادقؒ نے فرمایا: **توليهما** ''تو ان دونوں سے محبت رکھ''۔ اس نے کہا: **فاقول لربى اذا لقيتُه انک امرتَنى لولايتهمُا** میں بارگاہِ ایزدی میں حاضری کے وقت باری تعالیٰ سے عرض کروں گی کہ آپؒ نے مجھے ان دونوں سے محبت کرنے کی تلقین کی تھی''۔ حضرت الامام نے فرمایا: **نعم** ''ہاں (بالکل یہ بات برحق ہے)''۔(٤١)

● مروی ہے کہ ایک شخص امام الصادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ''اے ابن رسول اللہ ﷺ! آپؒ ابوبکر و عمرؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا:

امامان عادلان ، قاسطان، كانا على الحق، وماتا عليه، فعليهما رحمة

الله یوم القیامة(۴۲)

''وہ دونوں عادل ومنصف حکمران تھے۔ وہ حق وصواب پر کاربند تھے اور اسی پر ان کی وفات ہوئی۔ باری تعالیٰ روزِ قیامت ان پر رحمت فرمائے۔''

● امام جعفر بن محمد الصادق رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس مضمون کی متواتر روایات منقول ہیں کہ آپؒ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے قلبی محبت رکھتے تھے اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں حضرات پر بھی سلام بھیجتے۔(۴۳)

● حضرت امام جعفر الصادقؒ اصحابِ پیغمبر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنی عشر الفًا : ثمانیة آلاف من المدینة والفان من مکة والفان من الطلقاء' ولم یر فیهم قدری' ولا مرجئی' ولا حروری' ولا معتزلی' ولا صاحب رأی' کانوا یبکون اللیل والنهار' ویقولون : اقبض ارواحنا من قبل ان ناکل خبز الخمیر(۴۴)

''اصحابِ رسولؐ کی تعداد بارہ ہزار تھی۔☆ آٹھ ہزار مدینہ سے اور دو ہزار مکہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ دو ہزار طلقاء میں سے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی تقدیر کا انکاری نہ تھا۔ نہ کوئی مرجئہ کے نظریات رکھتا تھا اور نہ ہی خارجی تھا۔ ان میں سے کوئی بھی معتزلہ جیسے عقائد کا حامل نہ تھا اور نہ ہی اپنی ذاتی رائے اور غور وفکر کی پیروی کرتا تھا۔ تمام صحابہؓ اپنے دن اور رات گریہ وبکا میں بسر کرتے تھے اور خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہماری روحوں کو قبض فرما لینا قبل اس کے کہ ہم خمیری روٹی کھائیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت الامامؒ کی نگاہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زہد وورع سے متصف تھے اور بدعات وانحرافات سے اپنا دامن آلودہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے دلوں میں خشیتِ الٰہی کا بھی بہت غلبہ تھا۔

● **امام حسن العسکریؒ**: امام حسن عسکریؒ سے بھی متعدد روایات مروی ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ایسی بہت سی روایتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دریافت کیا کہ کیا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے صحابہ میں سے کوئی ایسا ہے جو تیرے ہاں میرے ساتھیوں سے

☆ اہل علم نے وضاحت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تو بہت زیادہ تھی۔ ممکن ہے امام صاحبؒ نے فتح مکہ یا کسی خاص عرصے کے اصحاب مراد لیے ہوں۔ (مضمون نگار)

بھی زیادہ مقام ومنزلت رکھتا ہے؟ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

یا موسٰی اما علمتَ ان فضل صحابة محمدٍ ﷺ علی جمیع صحابة المرسلین کفضل محمد ﷺ علی جمیع المرسلین والنبیین(۴۵)

''اے موسیٰ! کیا آپ نہیں جانتے کہ اصحابِ محمدؐ کو دیگر انبیاء ورُسلؑ کے ساتھیوں پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی محمد ﷺ کو دیگر تمام رسولوں اور نبیوں پر حاصل ہے''۔

جو کم نصیب اپنے سینے میں صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؑ سے بغض وکینہ رکھتا ہے' اس کی سزا تفسیر حسن عسکریؑ میں یہ بیان کی گئی ہے:

ان رجلا ممن یبغض آل محمد واصحابه الخیرین او واحدا منهم یعذبه اللّٰه عذابا لو قُسّم علی مثل عدد خلق اللّٰه لاهلکهم اجمعین(۴۶)

''جو بد بخت آلِ محمدؐ اور آپؐ کے نیک اور چنیدہ اصحابؓ یا ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض ونفرت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسا عذاب دے گا کہ اگر اسے ساری مخلوقِ خدا پر بھی تقسیم کر دیا جائے تو سب کو تباہ وبرباد کر دے''۔

قارئین کرام! ائمہ اہل بیت کے یہ ارشادات اس امر کی کھلی' روشن اور بین دلیل ہیں کہ وہ اصحابِ پیغمبرؐ سے محبت رکھتے تھے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اسی کی تلقین وہدایت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا جو بدقسمت رسول اکرم ﷺ کے صحابہؓ سے محبت کرنے کے بجائے ان سے دشمنی اور کینہ رکھتا ہے اس کا ان پاک باز ہستیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں ان لوگوں کے لیے بھی غور وفکر کا بہت کچھ سامان موجود ہے جو حب اہل بیت کی آڑ میں اصحابِ رسولؐ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ اگر وہ واقعتاً ائمہ اہل بیت کو معصوم سمجھتے ہیں تو انہیں اپنے اس رویے اور انداز پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور اپنے قلوب واذہان کو اصحابِ رسولؐ کی عداوت سے پاک کر کے' ان کی محبت والفت کو راسخ کرنا چاہیے کہ یہی اہل بیتؑ کا طریق ہے۔

اصحابِ رسولؐ کے لیے رحمت وبخشش کی دُعا کرنا اہل ایمان پر لازم ہے

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصافِ حمیدہ اور خصائل محمودہ کی بنا پر مؤمنین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان نفوسِ قدسیہ کے لیے بارگاہِ ایزدی سے رحمت وبخشش کی التجا کیا کریں۔ یہ اصحابِ پیغمبرؐ کا مسلمانوں پر حق بھی ہے اور ان سے محبت کا لازمی تقاضا بھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾ (الحشر)

''اور وہ جو اُن کے بعد آئے' عرض کرتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے ربّ! بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔'' (ترجمہ از کنز الایمان' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)

مذکورہ آیہ مبارکہ سے اہل ایمان کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں طرزِ عمل متعین ہو رہا ہے کہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں کی مدح وثنا کرتے ہیں اور باری تعالیٰ سے ان کی مغفرت وبخشش کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا بعینہٖ یہی طریق کار ہے کہ وہ تمام اصحابِ رسولؐ کے لیے خدا کی رضامندی کے طالب اور ان کی بخشش کے خواہاں رہتے ہیں۔ بعض کم نصیب اور بدقسمت اس فضل عظیم سے محروم ہیں اور وہ بجائے ان کے لیے التجائے بخشش کے' ان پر سبّ و شتم کرتے' تبرا بھیجتے اور اپنے قلب وذہن میں ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں۔ **ھداھم اللّٰہ.**

اہل سنت والجماعت کے علمائے متقدمین ومتأخرین نے مندرجہ بالا آیت طیبہ سے یہی اخذ کیا ہے کہ یہاں بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اپنے سے پہلے گزر جانے والے اہل ایمان بطورِ خاص اصحابِ رسولؐ کے لیے دعا اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل علم کے کچھ اقوال وآثار پیش خدمت ہیں۔

(۱) ہشام بن عروہؒ اپنے والد عروہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا' مجھ سے اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یَا ابْنَ اُخْتِیْ اُمِرُوْا اَنْ یَسْتَغْفِرُوْا لِاَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ فَسَبُّوْھُمْ (۴۷)

''اے بھانجے! لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اصحابِ نبیؐ کے لیے استغفار کریں لیکن انہوں نے ان پر سبّ وشتم شروع کر دیا۔''

اس کی شرح میں صاحبِ ''منعۃ المنعم'' مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

تشیر الی قولہ تعالٰی فی سورۃ الحشر ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾ قالت عائشۃ

رضی اللّٰہ عنہا ذلک حین سمعت الروافض والخوارج یسبون الصحابۃ رضی اللّٰہ عنہم(۴۸)

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اشارہ سورۃ الحشر کی مذکورہ آیت کی جانب تھا اور انہوں نے یہ بات اس موقع پر ارشاد فرمائی جب انہوں نے رافضیوں اور خارجیوں کے بارے میں سنا کہ وہ اصحابِ پیغمبرؐ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں''۔

بعض روایات میں یہ صراحت ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ نے اس آیت کی تلاوت بھی فرمائی تھی۔(۴۹)

(۲) حبر الامت ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لا تسبُّوا اصحاب محمد ﷺ فان اللّٰہ قد امرنا بالاستغفار لھم وھو یعلم انھم سیقتتلون (۵۰)

''نبی مکرم ﷺ کے صحابہؓ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے بارے میں استغفار کا حکم دیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ عنقریب ان میں لڑائی جھگڑا ہوگا''

(۳) امام بغویؒ نے مذکورہ آیہ مبارکہ کی تفسیر میں مالک بن مغولؒ سے نقل کیا ہے کہ عامر بن شراحیل الشعبیؒ نے ان سے فرمایا:

''اے مالک! یہود و نصاریٰ ایک خصلت میں صحابہؓ پر سبّ و شتم کرنے والوں پر برتری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ وہ یوں کہ جب یہود سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہترین کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا: اصحابِ موسیٰ علیہ السلام۔ اور عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں بہترین افراد کون ہیں؟ انہوں نے کہا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ لیکن جب رافضیوں سے سوال ہوا کہ تمہاری ملت میں سب سے بدتر کون ہیں؟ تو ان کا جواب تھا: اصحابِ محمد ﷺ۔ انہیں حکم تو دیا گیا تھا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں اور انہوں نے ان پر سب و شتم شروع کر دیا۔ پس ان پر تا قیامت تلوار سونت دی گئی ہے' ان کا پرچم کبھی سربلند نہ ہوگا' ان کے قدم کبھی جمیں گے نہیں' ان کا کلمہ متحد نہ ہوگا۔ یہ جب بھی لڑائی کی آگ جلائیں گے خدا تعالیٰ ان کا خون بہا کر' ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر کے اور ان کی حجت کو باطل کر کے' اسے بجھا دے گا۔ خدا تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو گمراہ کن فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے''۔(۵۱)

(۴) امام بن جریر طبریؒ روایت کرتے ہیں کہ قتادہ بن دعامہ السدوسیؒ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا:

انما امروا ان یستغفروا لاصحاب النبی ﷺ ولم یؤمروا بسبھم(۵۲)

''لوگوں کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی مکرم ﷺ کے صحابہؓ کے لیے استغفار کریں' یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ انہیں برا بھلا کہیں۔''

مذکورۃ الصدر ارشاداتِ سلف سے معلوم ہوا کہ سورۃ الحشر کی زیر بحث آیت طیبہ سے یہ شرعی حکم ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے جملہ اہل اسلام ان کے لیے دعائے رحمت و بخشش کرنے کے پابند ہیں اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلوب و اذہان کو صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہر قسم کے بغض و کینہ سے پاک رکھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے اہل علم نے مذکورہ آیت سے ایک اور نکتہ بھی مستنبط کیا ہے (جس کی طرف مضمون کے بالکل آغاز میں اشارہ گزر چکا ہے) کہ جو اصحابِ رسولؐ کے لیے استغفار نہیں کرتا یا اس کے دل میں ان کے لیے عناد و تعصب چھپا ہوا ہے' وہ مسلمانوں کے اموالِ غنیمت اور مالِ فے کا قطعاً حق دار نہیں' جیسا کہ روایاتِ ذیل سے اس کی تصریح ہو رہی ہے۔

(۵) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کسی شخص کو بعض مہاجرین کے بارے میں بدگوئی کرتے ہوئے سنا تو اس کے سامنے سورۃ الحشر کی یہ آیت پڑھی: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ (الحشر:۸) اور کہا یہ مہاجرین ہیں' کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر اگلی آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ﴾ (الحشر:۹) ''اور جو لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں اور ایمان استوار رکھے ہوئے ہیں''۔ اور فرمایا یہ انصار ہیں' کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر ابن عمرؓ نے اس سے اگلی آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ (الحشر:۱۰) اور اس سے سوال کیا کہ کیا تو ان لوگوں میں شامل ہے؟ وہ کہنے لگا: اَرْجُوْ ''مجھے امید ہے''۔ فرمایا: **لیس من ھولاء من یسبّ ھؤلاء** ''وہ شخص ان لوگوں سے نہیں ہو سکتا جو اصحابِ رسولؐ پر سبّ و شتم کرتا ہے''۔(۵۳)

دوسری روایت میں ہے کہ کسی شخص نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تھے تو سیدنا ابن عمرؓ نے اس سے یہ مکالمہ کیا تھا۔ اور آخر میں فرمایا تھا کہ خدا کی قسم! وہ شخص ان لوگوں میں شمار نہیں ہو سکتا جو صحابہؓ کے بارے میں اس طرح بدگوئی کرتا اور اپنے دل میں ان سے بغض رکھتا ہے۔ (ایضاً)

(۶) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

الناس علی ثلاث منازل' فَمضت منزلتان' وبقیت واحدۃ' فأحسن ما

انتم علیه کائنون ان تکونوا بھذہ المنزلة التی بقیت

''لوگوں کے تین درجے ہیں۔ دو گزر چکے ہیں اور ایک باقی ہے۔ تمہارا سب سے اچھا کام یہ ہوگا کہ تم اس باقی ماندہ مقام ومرتبہ پر فائز ہو جاؤ''۔

پھر آپؓ نے ان منازل کی وضاحت کی۔ چنانچہ پہلے یہ آیت پڑھی:

﴿لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا وَّيَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۚ﴿۸﴾﴾ (الحشر)

''یہ (خاص طور پر) ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی املاک سے نکالے گئے ہیں' اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہوئے۔ یہی لوگ اصل راست باز ہیں''۔

اور فرمایا یہ مہاجرین تھے اور یہ مرتبہ ختم ہو چکا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَالَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُوۡنَ فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۹﴾﴾ (الحشر)

''اور جو لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے اور ایمان استوار کیے ہوئے ہیں وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ہجرت کر کے ان کی طرف آ رہے ہیں' اور جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش محسوس نہیں کر رہے' اور وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں اگرچہ انہیں خود احتیاج ہو۔ اور جو خود غرضی سے محفوظ رکھے گئے تو درحقیقت وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

اور فرمایا یہ انصارؓ کا ذکر تھا اور یہ مقام ومرتبہ بھی گزر چکا ہے۔ پھر اس کے بعد والی آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ﴾ اور فرمایا: **قد مضت هاتان وبقیت هذه المنزلة التی بقیت ان تستغفروا لهم** [۵۴] ''وہ دو مرتبے تو چلے گئے اور اب یہی رہ گیا ہے کہ تم ان کے لیے استغفار کرتے رہو''۔

(**۷**) امام مالک رحمہ اللہ کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ انہوں نے اسی آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کے دل میں اصحابِ رسولؐ کا بغض ہو وہ مالِ فے کا مستحق نہیں۔

(۸) علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ سے مراد ہے التابعین الی یوم القیامۃ ''قیامت تک آنے والے پیروانِ (صحابہ کرامؓ)''۔ پھر زجاج کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

والمعنی: ما افاء اللّٰہ علی رسولہ فللّٰہ والرسول ولھؤلاء المسلمین وللذین یجیئون من بعدھم الی یوم القیامۃ ما اقاموا علی محبۃ اصحاب رسول اللہ ﷺ ودلیل ھذا قولہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ای الذین جاء وا فی حال قولھم ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا﴾ فمن ترحم علی اصحاب رسول اللہ ﷺ ولم یکن فی قلبہ غل لھم فلہ حظ من فی المسلمین بنص الکتاب(۵۵)

''آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے جو مال اپنے رسولؐ کے ہاتھ لگایا تو وہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے، نیز ان کے لیے جو قیامت تک ان کے بعد آنے والے ہیں بشرطیکہ وہ اصحابِ پیغمبرؐ سے محبت کرتے رہیں۔ اس کی دلیل خدا کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ یعنی وہ اس حال میں آئیں کہ ان کی زبان پر یہ ہو: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا﴾ ۔ پس جو شخص اصحابِ رسولؐ کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے اور اس کے دل میں ان کے لیے کوئی حسد و کھوٹ نہیں تو نص قرآنی کی رو سے وہی مسلمانوں کے مالِ فے کا حق دار ہے''۔

(۹) امام بغویؒ اسی آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ:

فکل من کان فی قلبہ غل علی احد من الصحابۃ ولم یترحم علی جمیعھم فانہ لیس ممن عناہ اللّٰہ بھذہ الآیۃ لان اللّٰہ تعالی رتّب المؤمنین علی ثلاثۃ منازل: المھاجرین والانصار والتابعین الموصوفین بما ذکر، فمن لم یکن من التابعین بھذہ الصفۃ کان خارجا من اقسام المؤمنین (۵۶)

''پس ہر وہ شخص جس کے دل میں کسی ایک صحابیؓ کے بارے میں بھی کینہ و عناد ہوگا اور وہ ان سب کے لیے دعائے رحمت نہ کرتا ہوگا تو وہ ان لوگوں میں شامل نہیں جن کی طرف باری تعالیٰ نے اس آیت میں توجہ فرمائی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اہل ایمان کو تین مراتب میں تقسیم کیا ہے: (۱) مہاجرین، (۲) انصار، اور (۳) بعد میں آنے والے ان کے پیروکار جن کا وصف استغفار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ تو جو شخص اس صفت سے موصوف لوگوں میں شامل نہیں وہ مؤمنوں کی اقسام سے باہر ہے۔''

(۱۰) امام ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

الناس علی ثلاثة منازل: المهاجرین' ﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ﴾' ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ فاجتهد ان لا تکون خارجًا من هٰذه المنازل (۵۷)

''لوگ تین مقامات میں منقسم ہیں: (۱) مہاجرین' (۲) وہ لوگ جنہوں نے شہر (مدینہ) اور ایمان کو گھر بنا لیا' اور تیسرے ان کے بعد آنے والے۔ پس کوشش کرو کہ ان مقامات سے باہر نہ نکلنے پاؤ''۔

(۱۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سورۃ الحشر کی مذکورہ آیاتِ ثلاثہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذه الایات تتضمن الثناء علی المهاجرین والانصار وعلی الذین جاء وا من بعدهم یستغفرون لهم ویسألون اللّٰه الا یجعل فی قلوبهم غِلّا لهم وتتضمن ان هؤلاء الاصناف هم المستحقون للفیء ' ولا ریب ان هؤلاء الرافضة خارجون من الاصناف الثلاثة' فانهم لم یستغفروا للسابقین وفی قلوبهم غل علیهم' ففی الآیات الثناء علی الصحابة وعلی اهل السنة الذین یتولونهم واخراج الرافضة من ذلک' وهذا ینقض مذهب الرافضة (۵۸)

''یہ آیات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کی مدح و ثنا کو متضمن ہیں جو ان کے لیے استغفار کرتے اور اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ان کے دلوں میں انصار و مہاجرین کے لیے کوئی کینہ پیدا نہ ہونے دے۔ آیت مبارکہ سے یہ مفہوم بھی اخذ ہو رہا ہے کہ یہی تین اصناف فے کی مستحق ہیں۔ اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کے مرتکب لوگ ان تینوں قسموں سے خارج ہیں' کیونکہ یہ سابقین (انصار و مہاجرین) کے لیے دعائے بخشش نہ کر کے اپنے دلوں میں ان کے لیے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ پس ان آیات میں اصحابِ رسولؐ اور ان سے محبت رکھنے والے اہل سنت کی تعریف و ستائش اور گستاخانِ صحابہؓ کے ان سے الگ ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اس سے دشمنانِ صحابہؓ کے مذہب کے تار و پود بکھر کر رہ جاتے ہیں۔''

(۱۲) سورۃ الحشر کی آیت مبارکہ ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْ بَعْدِھِمْ﴾ کے تحت علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انتہائی نفیس گفتگو فرمائی ہے۔ طوالت کے خوف سے اصل عبارت کے بجائے محض تلخیص وترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو مہاجرین وانصار کے لیے استغفار کی ہدایت کرنے کے بعد یہ حکم دیا ہے کہ علی الاطلاق تمام اہل ایمان کے بغض وکینہ سے اپنے دل کو پاک رکھنے کی علی الاطلاق التجا کریں۔ صحابہ کرامؓ اس میں بالاولیٰ داخل ہو جاتے ہیں' کیونکہ وہ تمام مؤمنوں سے بڑھ کر اعلیٰ واشرف ہیں اور سیاقِ کلام بھی انہی کے بارے میں ہے۔ لہٰذا جو شخص عمومی طور پر تمام اصحابِ رسولؐ کے لیے مغفرت اور خوشنودیٔ ربّ کا طالب نہیں بنتا وہ اس آیہ مبارکہ میں دیے گئے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اگر اس کے دل میں صحابہؓ کے لیے عناد وکینہ پایا گیا تو وہ شیطانی وسوسے کا شکار ہے' وہ خدا کے دوستوں اور اُمتِ محمدؐ میں سے بہترین افراد سے عداوت کا مظاہرہ کر کے خدا تعالیٰ کی انتہائی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کے لیے ذلت و رسوائی کا دروازہ کھل گیا جس سے گزر کر وہ جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں گر کر پھڑکے گا۔ اس کا یہی انجام ہے' اگر وہ اس سے باز آ کر اللہ تعالیٰ سے یہ التجا نہیں کرتا کہ وہ اس کے دل کو اصحابِ رسولؐ کے بغض وعناد سے پاک فرما دے جو خیر القرون اور اُمت کے افضل ترین افراد تھے۔

اگر وہ عناد وکینہ سے بڑھ کر اصحابِ پیغمبرؐ کو گالی گلوچ دینے پر اتر آتا ہے تو وہ اپنی لگام شیطان کے ہاتھ میں دے کر پوری طرح اس کا مطیع ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضی اور غضب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لاعلاج مرض کا شکار وہی ہوتا ہے جو رافضیوں اور دشمنانِ صحابہؓ کے نشاناتِ قدم پر چلتا ہے۔ شیطان نے ان بدبختوں سے کھلواڑ کیا۔ اس نے ان کے سامنے گھڑے ہوئے جھوٹ' باطل قصے اور موضوع خرافات مزین کر کے پیش کیے اور انہیں کتابِ الٰہی' جس کے نہ تو سامنے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے' اور اکابر ائمہ کی متواتر روایات سے منقول احادیثِ مصطفویہ سے دور کر دیا۔ پس انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ اور منافع کثیر کے عوض نقصانِ عظیم مول لے لیا۔ شیطان انہیں درجہ بدرجہ ضلالت و ہلاکت کی طرف لے جاتا رہا تا آنکہ یہ لوگ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ' اُمت کے بہترین افراد (صحابہ کرامؓ) اور تمام اہل ایمان کی کھلی عداوت پر اتر آئے۔ انہوں نے فرائض خداوندی کو نظر انداز کر دیا' شعائر دین

کو پس پشت ڈال دیا' اسلام و اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں پوری طرح سرگرم عمل ہو گئے اور دین و اہل دین کو ہر پہلو اور ہر گوشے سے نشانہ بنانے لگے۔ (لیکن یہ آگاہ رہیں کہ) خدا تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے''۔(۵۹)

حاصل کلام

قرآن وسنت کی مندرجہ بالا نصوص اور سلف صالحین کی تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعد میں آنے والے تمام اہل ایمان پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کریں اور اپنے قلوب واذہان کو ان کی بے ادبی وگستاخی اور تحقیر وتنقیص سے پاک رکھیں۔ باری تعالیٰ جملہ اہل اسلام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز ساتھیوں کے فضائل و محاسن کی نشر واشاعت اور ان کے نقوشِ پا پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے کہ غلبۂ اسلام کی راہ پھر سے ہموار ہو سکے' آمین یاربّ العالمین!

حواشی

(۲۹) الشافی' ج۲' ص ٤۲۸۔

(۳۰) شرح نهج البلاغة للميثم' ج۱' ص ۳۱۔

(۳۱) تلخيص الشافی للطوسی' ج۲' ص ٤۲۸۔

(۳۲) نهج البلاغة' ج۲' ص ۳۰۹۔

(۳۳) كتاب الشافی لعلم الهدی السيد المرتضٰی' نيز تلخيص الشافی للطوسی۔

(۳٤) نهج البلاغة' ج۲' ص ۵۰۵۔

(۳۵) رجال الكشی' ترجمہ نمبر ۲۵۷' معجم الخوئی'ج۸' ص۱۵۳۔ الفصول المختارة' ص۱۲۷۔

(۳٦) صحيح البخاری' كتاب الصلح' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی الله عنهما: ((ان ابنی هذا سيد))

(۳۷) منتهی الامال' ج۲' ص ۲۱۲۔ (بعض روایتوں میں خلفائے راشدین کے بجائے خلفائے صالحین کے الفاظ ہیں۔)

(۳۸) كشف الغمة' ج۲' ص ۹۱۔

(۳۹) كشف الغمة۔

(٤۰) كشف الغمة' ج۲' ص ۳٦۰۔

(٤۱) روضة الكافی' ص ۸۸۔

(٤٢) احقاق الحق للشوشتری، ج١، ص ١٦١۔
(٤٣) الشافی، السید مرتضٰی، ص ٢٣٨۔
(٤٤) کتاب الخصال للصدوق، ص٦٤۔
(٤٥) تفسیر الحسن العسکری، ص ٦٥۔
(٤٦) ایضاً، ص ١٩٦۔
(٤٧) صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب من سب الصحابة، وقوله تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾.
(٤٨) منعة المنعم فی شرح صحیح مسلم : صفی الرحمٰن مبارك پوری، ج٤، ص ٤٢٢۔ طبع اول١٩٩٤ء، دار السلام۔
(٤٩) الدر المنثور فی التفسیر بالماثور: السیوطی، ج٨، ص ١١٣۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ روایت (بحوالہ المصاحف) عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن الانباری رحمہم اللہ سے نقل کی ہے۔
(٥٠) الشرح والابانة علی اصول السنة والدیانة، ابن بطة، ص١١٩، نیز تفسیر القرطبی، ج١٨، ص ٣٣۔
(٥١) تفسیر البغوی علی حاشیة تفسیر الخازن، ج٧، ص ٥٤۔ اسے علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے ج١٨، ص٣٣۔ نیز ملاحظہ ہو منہاج السنۃ، ج١، ص٦، ٧ اور شرح الطحاویۃ، ج٢، ص ٦٩٨۔
(٥٢) جامع البیان، الطبری، ج٢٨، ص ٤٤، ٤٥۔
(٥٣) الدر المنثور فی التفسیربالماثور: السیوطی، ج٨، ص ١١٣، ١١٤۔
(٥٤) منهاج السنة، ابن تیمیة، ج١، ص ١٥٣۔ اسے امام حاکم نے ''المستدرک'' میں روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرك، ج٢، ص ٤٨٤۔
(٥٥) زاد المسیر فی علم التفسیر: ابن الجوزی، ج٨، ص ٢١٦۔
(٥٦) تفسیر البغوی علی حاشیة تفسیر الخازن، ج٧، ص ٥٤۔
(٥٧) ایضاً۔
(٥٨) منهاج السنة، ابن تیمیةؒ، ج١، ص ١٥٣۔ نیز شرح الطحاویة، ص٥٢٩۔
(٥٩) فتح القدیر، الشوکانی، ج٥، ص ٢٠٢۔

❁❁❁❁

پوپ کے انکار کا مسئلہ

کرسٹوفر ہچنز ☆

اخذ و ترجمہ: سید محمد افتخار احمد

جب سے پوپ جان XXIII نے دوسری ویٹی کن کونسل میں تہلکہ آمیز تاریخی اصلاحات کیں اکثر رومن کیتھولک تمام وقوعہ کو خوفناک غلطی قرار دے رہے ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور چرچ کے باہر کا ایک آدمی اِیولن واہ تھا جس نے ۱۹۶۶ء میں ایسٹر سروس کے بعد موت کو گلے لگا لیا۔ اس کے خیال میں پوپ کے اختیارات میں خصوصی مراعات کے ذریعے آزاد خیال سیکولرزم کی جدید گمراہیوں کو قبول کرتے ہوئے عیسائیت سے بغاوت کی گئی تھی۔ چرچ کے اندر کا آدمی آرچ بشپ مارسل لیفوری ایک نہایت روایتی فرانسیسی عالم تھا جس نے رومن چرچ سے مذہبی اختلاف کیا۔ نتیجتاً چار دیگر بشپ جو اس نے مقرر کیے تھے، کے ہمراہ اس کو ۱۹۷۰ء میں کیتھولک کلیسا سے خارج کر دیا گیا۔ زیادہ بدنام اور مشہور ناقد و باغی کیتھولک باپ بیٹے (ہٹن گبسن اور اس کا بیٹا میل) تھے جن کی نہایت بھیانک تحریر مسیح کی قربانی ''مسیح کی اذیت'' (The Passion of the Christ) کے نام سے فلم کی شکل میں منظرِ عام پر آئی۔

کئی دہائیوں تک یہ خیال کیا جاتا رہا کہ یہ اختلاف کرنے والے یا تو اِدھر اُدھر منتشر ہو کر غیر مؤثر ہو جائیں گے یا دوبارہ عمومی عقیدے والے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ پوپ بینی ڈکٹ XVI نے رومن چرچ کو ہی اختلاف کرنے والوں کے خیال کے مطابق تبدیل کر دیا۔ ان میں لیفوری بشپ کا حامی بشپ رچرڈ ولیم سن بھی ہے جو نہ صرف نازی ہالوکاسٹ کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کو جنگ کا بہانہ بنانے کے لیے بش انتظامیہ کا خود ساختہ ڈرامہ قرار دیتا ہے۔ پوپ کے اس فیصلہ سے وہ اختلافی عناصر جو ''سینٹ پئس X کی سوسائٹی'' (بارہ پوپ حضرات کا گروپ) کے جھنڈے تلے جمع تھے، منقطع کرنے کی بجائے اپنے سے جوڑنے پر بہت سے راسخ العقیدہ کیتھولک اور جدید لبرل خیالات

☆ نیوز ویک، ۳۱ جنوری ۲۰۰۹ء

کے حامل بھی پریشان ہو گئے۔ ان میں جارج ویگل بھی شامل تھا۔ مگر کیا ہمیں اس کو چرچ کا اندرونی معاملہ سمجھنا چاہیے؟ میرے خیال میں جواب نفی میں ہے اور اس کی وجوہات یہ ہیں۔

ویٹی کن II کی طرف سے کیتھولکس کی روزمرہ زندگی میں نہایت اہم تبدیلی لاطینی کی بجائے مادری زبان میں عبادت کرنا ہے۔ جبکہ کیتھولکس اور غیر کیتھولکس کے تعلقات میں بہت اہم تبدیلی ویٹی کن II کی یسوع مسیح کو سولی دینے (deicide) کے جرم سے تمام یہودیوں کو بری کر دینے کا فیصلہ ہے۔ جس کا مطلب ہے مسیح کو اذیت دینے اور سولی پر چڑھانے کی اس تاریخی اور اجتماعی ذمہ داری سے یہودیوں کو بری کر دیا گیا ہے۔ دونوں تبدیلیاں بدقسمتی سے ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

قدیم لاطینی طریقہ عبادت جس میں گڈ فرائڈے کی عبادت بھی ہے اور یہودیوں کی ہدایت کی دعا بھی شامل ہے' اسی دعا میں یہودیوں کو شاطر و دغاباز کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ سینٹ پئس X کی سوسائٹی میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل تھے جو ماضی کی اس روایت کو یاد کرتے تھے جب پادری میزبان کی کمر پکڑ کر لاطینی دعائیہ الفاظ کو دہراتا تھا اور یہ ہر چرچ کا معمول تھا۔ اس پر صرف یہودی ناقدین ہی شک نہیں کر رہے کہ عبادت کو زیادہ سے زیادہ لاطینی میں ادا کرنے کے پس پردہ ضرور کچھ ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ اس کے پیچھے کیا ہو سکتا ہے میں ہیوٹن گبسن کی ۲۰۰۳ء میں شائع شدہ کتاب ''دشمن ابھی موجود ہے'' (The Enemy Is Still Here) کا حوالہ دیتا ہوں۔ گزشتہ نصف صدی کی عبادت میں تمام تلخ دشمنی پر مبنی تبدیلیاں جن سے یہودیوں کو خوش کیا جا سکے گبسن کے لیے باعث اشتعال تھیں' اور وہ یہودیوں کے لیے کلیسا کی طرف سے نرم گوشے کے اظہار کے بھی خلاف تھا۔ موجودہ پوپ جب وہ کارڈنیل جوزف رٹزنگر تھا' کے اس الزام کہ تمام یہودیوں نے مسیح کو سولی دینے کا مطالبہ کیا تھا' میں تبدیلی کی کوششوں کے انکار بارے گبسن لکھتا ہے: ''بلکہ اس کے برعکس پونٹیس پائیلیٹ (رومن گورنر) نے سولی دینے کی ذمہ داری سے اعلانِ براءت کیا جبکہ جائے واردات پر موجود یہودیوں نے چیخ چیخ کر ذمہ داری کا اقرار کیا کہ اس کا خون ہمارے اور ہماری آئندہ نسلوں کے سر ہے۔ یہ جرم یقیناً ازلی گناہ اور مینارِ بابل ☆ سے بھی بڑھ کر ہے۔

☆ یونانی دیومالائی کہانی کے مطابق مینار بنا کر خدا کو دیکھنے کی ایک جسارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی زبان (بولی) تبدیل کر دی جس سے ایک شور اور ہنگامہ بپا ہوا مگر وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکے۔ لہٰذا نامراد ہوئے۔

غرور و تکبر بھرے ان دونوں گناہوں کی سزا ان کی آنے والی نسلوں پر بھی مسلط کر دی گئی۔ یہودیوں کی پوری تاریخ کے دوران مسلسل عذاب و بربادی اور قتل و غارت کی وجہ سے کلیسا کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہ ایک ملعون قوم ہے' اور ہالوکاسٹ بھی ان پر اسی اقرار کے باعث ہوا ہے جو انہوں نے مسلوب مسیح کے بارے میں کیا تھا۔''

میں گبسن سینئر کے دوطرفہ گھٹیا اور غلیظ طریقہ پر غور کرتا ہوں۔ پہلے اس کی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ نشان زدہ لفظ ''ہالوکاسٹ جو شاید ہوا ہی نہیں'' اور پھر اس کا یہ کہنا کہ ہالوکاسٹ خدائی سزا کے طور پر مسیح کو سولی دینے کے جرم کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا۔ اور اس کا اگلا مشاہدہ دم بخود کرنے والا وہ بیان ہے جو پوپ جان پال II نے اپنے خطبہ میں کہا کہ ''یہودیت' عیسائیت کے لیے اتنی خارجی نہیں جتنا کہ ضروری ہے اور یہ کہ یہودی ہمارے پیشرو بھائی ہیں۔ یا بڑے بھائی ہیں''۔ گبسن غراتا ہے کہ ہابیل کا بھی ایک بڑا بھائی تھا۔ کیا میں سفارش کروں کہ آپ وہ آخری چار الفاظ بھی غور سے پڑھیں جب مَیل گبسن نے کیلیفورنیا میں ایک چرچ کو صرف لاطینی میں عبادت کرنے پر کافی امداد دی۔ اسے جب ایک پولیس افسر نے گرفتار کیا تو اس نے یہود نفرت کی وجہ سے ذہنی انتشار کے تحت ایک احمقانہ بات کی' جس سے اس کا مقصود اپنے آپ کو بچانا تھا کہ ''یہ گفتگو شراب کے نشہ میں تھی''۔ نہیں' یہ شراب کے نشہ کی بات نہیں تھی بلکہ یہ اس کا عزت مآب باپ اس میں سے کیتھولک نظریہ کے انتقامی جذبہ کے تحت بول رہا تھا۔

اس کے برعکس میرے اندازے کے مطابق پوپ بغیر کسی پیشگی شرائط کے یہ فیصلہ کر رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ عہد شکنی ایک ایسا زخم ہے جسے بہرحال بھرنے کی ضرورت ہے۔ (میں یہ مانتا ہوں کہ گبسن کا اختلاف اور اس کا ''کیتھولک روایات سے اتحاد'' سینٹ پئس X کی سوسائٹی سے بھی زیادہ شدید ہے' تاہم اصول وہی ہے)۔ زمین پر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ ایک ممکن تشریح ان لوگوں کو جو یہ سوچنا چاہتے ہیں کہ کیتھولک دنیا کو خوش کن لیپا پوتی کرنے سے مذہبی اختلافات کو حل کیا جاسکتا ہے' بہت کم سکون دے سکتی ہے۔

پہلے اپنے آپ سے پوچھیں کہ چرچ کو یہودیوں پر سولی دینے کے الزام کو واپس لینے میں ۱۹۶۵ء تک کا وقت کیوں لگا؟ آخر یہ ایک ہی گوسپل کی ایک ہی آیت تو ہے (میتھیو ۲۷:۲۴۔۲۵) یا پھر میل گبسن کی فلم کا ایک خطرناک منظر جس کے مطابق یہودی سپریم کونسل نے مطالبہ کیا کہ وہ ہمہ وقت آئندہ نسلوں کے ساتھ مبینہ سولی کے ذمہ دار ہوں گے۔ تب

یہاں ایک سوال ہے کہ بالفرض ان یہودی رِبیوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ تمام یہودیوں بشمول آئندہ نسلوں کے نمائندے ہیں تو نورمبرگ مقدموں کے بعد کلیسا نے اس فیصلہ پر عمل کرنے میں ۲۰ سال کیوں لگائے؟ عیسائی عقیدہ یہ ہے کہ ہم سب اس سولی کے گناہ میں شامل تھے اور روحانی طور پر اپنے آپ کو موجود سمجھتے ہیں۔ جب بھی ہم کوئی گناہ کرتے ہیں ہم اس کریہہ منظر کے درد اور مظلومی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس طرح اجتماعی ذمہ داری کا اصول ہم سب پر لاگو ہوتا ہے نہ کہ صرف یہودیوں پر۔ (سولی کے وقت) وہاں کوئی کارنوالی' تامل' چیروکی یا سلووا کی قبرستان (سولی دینے والی جگہ) میں موجود نہ تھا۔ لیکن اگر اس بڑی کہانی میں کوئی سچائی ہے یا نہیں بھی ہے تو یقیناً اس علاقہ میں بہت سے یہودی رہائش پذیر ہوں گے۔ پس اگر وہ سب معاف کر دیے جائیں تو دوسروں کو قائل کرنا ذرا مشکل ہو جائے گا' کہ ان کی اپنی گناہ آلود زندگی ناقابل محو ہے۔ اس لیے ویٹی کن II کا فیصلہ ہی قدامت پسندوں کی بے آرامی کا باعث ہوگا۔ کسی نہ کسی طرح سزا اور تاوان کی گاڑھی شراب کو پانی ملا کر پتلی یا کم اثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہودی قدامت پسند اس مشکل کو مزید حل کرنے والے نہیں۔ مسیحی بائبل (عہد نامہ جدید) پر تبصرہ کرتے ہوئے سب سے بڑے دانشور میمون (ہسپانوی یہودی عالم موسیٰ بن میمون) نے توثیق کی کہ یروشلم کے رِبیوں کی دلیرانہ دیانت داری کی تعریف کے پل باندھنے چاہئیں جنہوں نے جعلی' بدعتی' معبود اور عرصہ دارز سے موعود مسیحا کا رد کیا۔ آپ یقین کر سکتے ہیں کہ کٹر کیتھولک عرصہ دراز سے اس بھدی حقیقت سے واقف تھے جس طرح کہ آج کے لبرل سیکولر یہودیوں کی اکثریت اس سے ناواقف ہے۔ پرانی طرز کے ایسٹر کے خطبہ اور اوبرامرگاؤ اور اس کے نواح میں (طاعون سے نجات کے) ''شکرانے کے ڈرامے'' اور زیادہ فروخت ہونے والی کیتھولک عارفانہ کتابیں مثلاً ''جرمن نسل اینی کیتھرین ایمرچ کی بصیرت'' وغیرہ یہودی انبوہ کے مسیح کی اذیت پر لطف اندوز ہونے کے باغیانہ بیانات سے بھرے پڑے ہیں۔ جب مذہبی زیادتی کی جاتی ہے (جو کبھی کبھار وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے) تو اکثر اس پر بحث کی جاتی ہے کہ یہ حقیقی اور مستند تعلیمات سے فرار ہے۔ موجودہ وقوعہ کو اتنا دہشت انگیز بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ہالوکاسٹ کے انکاری اور سامی مخالفین کو رعایت دی جا رہی ہے' اور یہ کہ یہ ''اصل ارادہ'' کیتھولسزم سے فرار نہیں ہے بلکہ یہ روایتی اور قدیم وعظ کی طرف لوٹنا ہے۔ کئی دہائیوں سے بہت سے خارجی دلچسپی رکھنے والوں کو رومن کیتھولک چرچ نے یہودیوں کو بدنام

کرنے میں صحیح یقین دلانے اور اپنی تاریخی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی بہت کم کوشش کی۔ اچانک یہ کامیابی اتنی ٹھوس محسوس نہیں ہوتی۔ سینٹ پیٹس X کی سوسائٹی کے جرمن مختار کار نے حالیہ جرمن کیتھولک بشپ کو سولی کی عمومی ذمہ داری کا لیکچر دیا۔ پچھلے ماہ وہ ایک خارجی آدمی تھا۔ اب اس کا اختلاف پاپائیت کے سینے میں واپس آ گیا ہے۔ اتحاد کا مطلب بنی ڈکٹ کے لیے بہت اہم ہے' اگر وہ اس کی اس طرح کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے۔

عیسائی اس پر متفق ہیں کہ مسیح اپنی موت کے پورے یقین کے ساتھ یروشلم گئے۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ یہودی اور رومن نے بڑی فرمانبرداری سے اس پیش گوئی کے پورا کرنے اور اس قتل میں جس سے دنیا کا خون بہا ادا ہوا' انسانیت کی مدد کی۔ یقیناً نہیں' بطور ایک غیر مذہبی شخص ہونے کے ناطے یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن عقیدے کے جبے تلے یک رُخا پن اور ذہنی انتشار بطور ایک شہری میرے لیے پریشانی کا باعث ہے' جیسے کارڈ نیل برنارڈ قانون جس کے مطابق بچے کا جنسی استحصال جائز ہے اور جسے اب رومن کلیسا کی حمایت حاصل ہے اور جسے رژنگر کے پوپ بننے کے الیکشن میں ووٹ کا حق بھی دیا گیا۔ پس وہ جو اشارہ کنایہ سے یہود پر تہمت لگاتے ہیں اور وہ جو شرمناک اور توہین آمیز تحریریں پھیلا کر جمہوری امریکہ کے سر اس پر مذہبی دہشت گردی کے حملے کرنے کے لیے الزام تھوپتے ہیں' ہر کوئی سوچ سکتا ہے کہ ذمہ دار کلیسا غضبناک ہو کر الزام لگائے گا اور ایسے لوگوں کو نکال باہر کرے گا' نہ کہ شرافت کے ساتھ ان سے موافقت کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سوچ میں غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ oo

سید قاسم محمود کا

انسائیکلوپیڈیا قرآنیات

(و دیگر مذاہب کا بحر العلوم)

ردیف وار —— قسط وار —— ماہ وار —— پانچ سالہ منصوبہ

ہر ماہ ایک قسط 100 روپے..... سالانہ 1000 روپے

سالانہ رکن بن کر اپنی کاپی محفوظ کرائیے

شاہکار بک فاؤنڈیشن

35۔ اقبال ایونیو' گرین ٹاؤن' لاہور 54770' فون: 594-5429 موبائل: 0301-4498104

بقیہ : عرضِ احوال

ڈویژن کی سطح پر دارالقضا (شریعت بنچ) میں اپیل کی جا سکے گی۔ (v) دیوانی مقدمات کا فیصلہ چھ ماہ میں اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ چار ماہ میں کرنا ہوگا۔ ابھی تو شرعی عدل ایک محدود عدالتی دائرہ کار میں نافذ ہوا ہے' اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ نہیں ہوا کہ سیکولرازم کے علمبرداروں کی چیخیں نکل گئی ہیں۔ بہرحال ہم فریقین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتے ہیں اور اس کے ساتھ اُنہیں انتباہ کرتے ہیں کہ وہ اِس معاہدے پر خلوص اور صدقِ دل سے عمل درآمد کریں۔ اسلام اور امن کے دشمن اِس معاہدے کو سبوتاژ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ صدر صاحب کا گوروں کے کالے ردِعمل پر اپنے دستخطوں کا معاہدے پر ثبت کرنے کو امن بحال ہونے سے مشروط کرنا اُن کی بدنیتی کی غمازی کرتا ہے۔ دشمنانِ اسلام و پاکستان کے لیے ایک دو پر تشدد کارروائیاں کر دینا بہت مشکل نہیں ہے۔ تحریک نفاذِ شریعتِ محمدیؐ کے کارکنان کو بہت چوکس اور متحرک رہنا ہوگا۔ ہمیں سوات میں تمام اسلام دوست قوتوں سے توقع ہے کہ وہ بھی اپنے عہد کو پورا کریں گے' تاکہ وادیٔ سوات کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔

ہم فاٹا اور دوسرے آزاد علاقوں کے بارے میں بھی حکومت کو مشورہ دیں گے کہ وہاں بھی مذاکرات اور سیاسی عمل سے مسئلہ کو حل کرلیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قبائلیوں کو فتح کرنے والا قبائلیوں سے شکست کھانے والوں سے زیادہ پچھتاتا ہے۔ کاش! سوات میں یہ معاہدہ کسی بڑے خون خرابہ سے پہلے کرلیا جاتا۔ کہتے ہیں کہ نادان بھی کرتا وہی ہے جو دانا کرتا ہے' لیکن خرابی بسیار کے بعد! آخر میں ہم یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ ربّ العزت! سوات اور کوہستان میں نفاذِ شریعت پاکستان میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!''

۞۞۞